مئی 2026
قیمت: 200 روپے

www.monthlycrimebureau.com

ABC Certified باقاعدہ تصدیق شدہ

ماہنامہ

CRIME BUREAU

کرائم بیورو

کراچی

انڈیا مئی 2025 کی لڑائی میں پاکستانی کارروائی میں ہونے والا نقصان تسلیم کرنے سے گریزاں کیوں؟

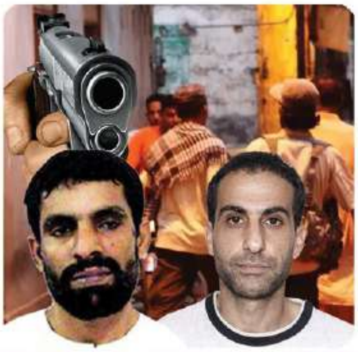

لیاری گینگ وار کے اہم کردار کی جرم میں لپٹی زندگی اور تشدد سے بھری موت کی کہانی

حکومتِ پاکستان کسی بحران سے بچنے کے لیے خود تیل کا ذخیرہ کیوں نہیں کر سکتی؟

ایران میں فیصلے کون کر رہا ہے؟

میسٹری ڈاک

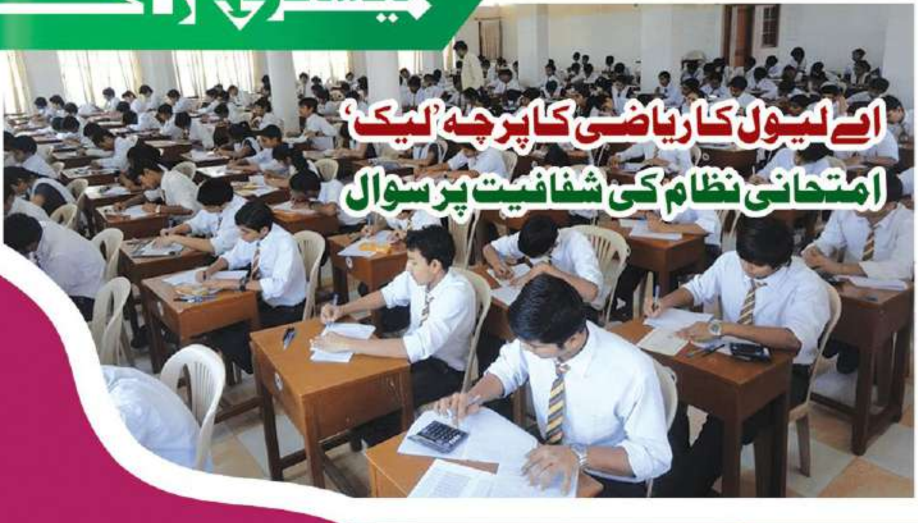

اے لیول کا ریاضی کا پرچہ 'لیک'
امتحانی نظام کی شفافیت پر سوال

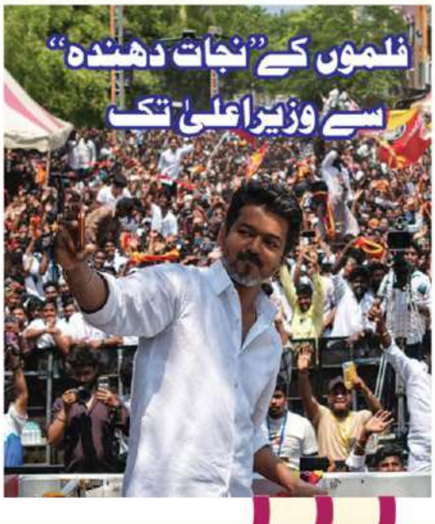

فلموں کے "نجات دہندہ" سے وزیراعلیٰ تک

CRIME STOPPERS

CRIME SCENE DO NOT CROSS

طارق الٰہی مستوئی

(ایس ایس پی ویسٹ)

سعید جمانی

(ایس ایچ او دادو پولیس اسٹیشن)

فیصل گل

(ایس ایچ او پاک کالونی)

ممتاز مروت

(ایس ایچ او شاہ لطیف ٹاؤن پولیس اسٹیشن)

www.monthlycrimebureau.com

ABC Certified باقاعدہ تصدیق شدہ

CRIME BUREAU

ماہنامہ

کرائم بیورو

کراچی

جلد نمبر 06 | مئی 2026ء | شمارہ نمبر 06

قیمت: 200 روپے

فرمان مصطفیٰ ﷺ

اس آدمی کیلئے خوشخبری ہو جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا اور جو آدمی مجھ پر ایمان لایا جبکہ اس نے مجھے دیکھا ہی نہیں اس کیلئے سات دفعہ خوشخبری ہے۔ (مسند احمد شریف، حدیث نمبر 139)

فرمان الٰہی

اللہ کے ہاں بس شرک ہی کی بخشش نہیں۔ اس کے سوا اور سب کچھ معاف ہوسکتا ہے جسے وہ معاف کرنا چاہے۔ جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا تو وہ گمراہی میں بہت دور نکل گیا! (سورۃ نساء۔ آیت: 11)

فہرست

ایران میں فیصلے کون کر رہا ہے؟	05
انڈیا مئی 2025 میں ہونے والا نقصان تسلیم کرنے سے گریزاں کیوں؟	06-07
حکومت کسی بحران سے بچنے کیلئے خود تیل کا ذخیرہ کیوں نہیں کر سکتی؟	08-09
ایرانی سفارت خانوں نے دورانِ جنگ 'ایکس' کو ہتھیار کیسے بنایا؟	10
ارشد پپو: جرم میں لپٹی زندگی اور تشدد سے بھری موت کی کہانی	11-12
اے لیول کا ریاضی کا پرچہ 'لیک' امتحانی نظام کی شفافیت پر سوال	13
خلیج فارس میں اتنا زیادہ تیل اور گیس کیوں موجود ہے؟	14-15
سندھ پولیس کا احتساب آپریشن ناکام	16
انڈین میزائل حملوں کا نشانہ بننے والے مقامات پر بی بی سی نے کیا دیکھا؟	17-18
پاکستان میں ای بائیکس کی فروخت میں 'غیر معمولی' اضافہ	19
آئی ایم ایف کی شرط یا غلط استعمال کی روک تھام	20
"ملیسٹری ڈاک"..... انسانی جسم کائنات کا سب سے بڑا معمہ	21
فلموں کے "نجات دہندہ" سے وزیراعلیٰ تک	22
پاکستانی ڈرامے نیٹ فلکس اور دیگر او ٹی ٹی پلیٹ فارمز سے کیوں دور ہیں؟	23-24
طبی سہولیات کی قلت سے مایوس افغان روحانی معالجین سے رجوع پر مجبور	25-26
سام سنگ کی اربوں کی سلطنت کا اگلا وارث کون؟	27
'کچھ کھلاڑی دل میں بس جاتے ہیں اور بابر ان میں سے ایک ہیں'	28
12 امریکی سائنس دانوں کی پراسرار اموات: ایٹمی راز خطرے میں؟	29-30

پبلشر فضیل امر نے خرم پرنٹنگ پریس پاکستان چوک سے چھپوا کر آفس نمبر 1، پاکستان ہاؤسنگ اتھارٹی قائد آباد ملیر سے شائع کیا
monthlycrimebureau@gmail.com
crimebeauru@gmail.com

چیف ایڈیٹر: شیخ حسین امر
ایڈیٹر: عرفان ساگر
سر پرست اعلیٰ: سید عامر حسین
ڈپٹی ایڈیٹر: مارشا امر
منیجنگ ایڈیٹر: معظمہ جٹ
ایڈیٹر انوسٹی گیشن: شکیل ناچ
مجلس ادارت:
نیاز کھوکھر، راؤ جمیل، آغا خالد، ضیاء الرحمٰن، ڈاکٹر جعفر عباس، سمیر قریشی، ملیحہ عمران (انگلینڈ)، غازی صلاح الدین، فاروق مرزا (امریکہ)، عبدالوحید جیلانی، افضل سندھو، کامران خان، اسد اللہ خان، طارق پٹھان
انچارج انوسٹی گیشن ٹیم: زاہد شاہ، حاجی صفدر کریالہ راجپوت
چیف رپورٹر: انور سلطان (0300 2056305)
کرائم رپورٹرز:
عمیر خان، عمران شاہد، عبداللہ گدی، سہیل آرائیں، محمد احسن، محمد آصف نور العارفین، نعمان صافی، سلطان چاکی سومرو احسن کنندی (فیصل آباد)
چیف فوٹو گرافر: عبدالستار قریشی **فوٹو گرافر:** آصف قریشی
بیورو چیف: نوید میو (اسلام آباد) سعدیہ حق (لاہور)
چوہدری مستقیم (چنیوٹ) عبدالغفور سروہی (حیدر آباد)
ڈپٹی بیورو چیف: ہارون علی (چنیوٹ)
تحصیل رپورٹر: حیدر علی (چنیوٹ) **اعزازی رپورٹر:** ساجد علی شاہ (چنیوٹ)
ڈسٹرکٹ رپورٹرز: محمد نعیم (چنیوٹ)
ابرار احمد (سوات) مراد عباسی (پنو عاقل)
آفتاب سروان (ٹھٹھہ)
انچارج سندھ ڈیسک: انعام شاہ (03043010516)
اسپیشل رپورٹر: راؤ عدنان **اسٹاف رپورٹر:** محمد یوسف
قانونی مشیران: امجد حسین قریشی ایڈووکیٹ
امان اللہ یوسفزئی ایڈووکیٹ، نظر اقبال (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

ہیوسٹن میں سینئر صحافی سہیل وڑائچ کے اعزاز میں پروقار استقبالیہ

ہیوسٹن: ممتاز کاروباری شخصیات رضوان گدی اور سعید گدی، مالکان ریڈیو سنگیت، کی جانب سے معروف پاکستانی صحافی، تجزیہ نگار اور ٹی وی میزبان Sohail Warraich کے اعزاز میں ہیوسٹن کے مقامی ریسٹورنٹ میں ایک شاندار استقبالیہ تقریب کا اہتمام کیا گیا۔

تقریب میں پاکستانی امریکن کمیونٹی، میڈیا سے وابستہ شخصیات، سماجی رہنماؤں اور کاروباری حلقوں کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔ شرکاء نے سہیل وڑائچ کی صحافت کے میدان میں گراں قدر خدمات، غیر جانبدار تجزیوں اور پاکستان و امریکہ کے درمیان ثقافتی و ابلاغی روابط کو مضبوط بنانے میں کردار کو خراجِ تحسین پیش کیا۔

استقبالیہ تقریب کے میزبان رضوان گدی اور سعید گدی نے اپنے خطاب میں کہا کہ سہیل وڑائچ پاکستان کے ان چند سینئر صحافیوں میں شامل ہیں جنہوں نے ہمیشہ جمہوری اقدار، سچائی اور عوامی مسائل کو اپنی صحافت کا محور بنایا۔

تقریب کے دوران شرکاء نے سہیل وڑائچ کے ساتھ یادگاری تصاویر بنوائیں جبکہ میڈیا، کمیونٹی امور اور پاک امریکہ تعلقات پر غیر رسمی گفتگو بھی کی گئی۔ تقریب خوشگوار اور دوستانہ ماحول میں عشائیے کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی۔

ایران میں فیصلے کون کر رہا ہے؟

ایران پر امریکہ اور اسرائیل کے ابتدائی حملوں کے بعد سے ایک ہی سوال منڈلا رہا ہے کہ آخر ایران میں اختیار کس کے پاس ہے؟

28 فروری کو جنگ کے پہلے دن اپنے والد علی خامنہ ای کی ہلاکت کے بعد مُجتبیٰ خامنہ ای نے رہبرِ اعلیٰ کا کردار سنبھال لیا ہے۔ ایران کے نظام میں یہ منصب فیصلہ کن سمجھا جاتا ہے۔ جنگ، امن اور ریاست کی سٹریٹجک سمت سمیت تقریباً ہر اہم معاملے پر آخری فیصلہ رہبر کے پاس ہوتا ہے۔

لیکن عملی طور پر صورتحال کہیں زیادہ مبہم ہے۔ ڈونلڈ ٹرمپ نے ایران کی قیادت کو 'منقسم' قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ امریکہ تہران کی جانب سے ایک 'ایک جیسی تجاویز' کا منتظر ہے۔

اتحاد یقینی طور پر ایرانی قیادت کے ذہن میں تھا جب اُنھوں نے جمعرات کی رات ایرانی شہریوں کے موبائل فون پر ایک پیغام بھیجا جس میں کہا گیا کہ 'ایران میں نہ کوئی سخت گیر ہے اور نہ ہی اعتدال پسند۔ صرف ایک قوم ہے اور ایک راستہ ہے۔'

غیر مرئی رہنما

اقتدار سنبھالنے کے بعد سے مُجتبیٰ خامنہ ای عوام میں نظر نہیں آئے۔ چند تحریری بیانات کے سوا، جن میں ایک یہ اصرار بھی شامل ہے کہ آبنائے ہرمز بند ہی ہے، ان کی روزمرہ معاملات میں گرفت کے واضح شواہد بہت کم ہیں۔

ایرانی حکام نے تسلیم کیا ہے کہ وہ ابتدائی حملوں میں زخمی ہوئے تھے لیکن اس بارے میں تفصیلات محدود رکھی گئی ہیں۔ نیو یارک ٹائمز نے ایرانی ذرائع کے حوالے سے اس ہفتے رپورٹ کیا کہ انھیں متعدد زخم آئے ہوں گے، جن میں چہرے کے زخم بھی شامل ہیں جن کی وجہ سے ان کے لیے بولنا مشکل ہو گیا ہے۔

یہ غیر موجودگی اہم ہے۔ ایران کے سیاسی نظام میں اختیار صرف ادارہ جاتی نہیں بلکہ نمائشی بھی ہوتا ہے۔ علی خامنہ ای تقاریر، نپی تلی عوامی موجودگی اور مختلف دھڑوں کے درمیان ثالثی کے ذریعے اپنے عزائم واضح کرتے تھے۔ یہ عمل اب بڑی حد تک غائب ہے۔

اس کا نتیجہ تشریحی خلا کی صورت میں سامنے آیا ہے۔ بعض کا مؤقف ہے کہ جنگ کے دوران مجتبیٰ خامنہ ای رہبر کے منصب پر فائز ہوئے، لہٰذا انھیں اپنا اختیار مستحکم کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔

بعض مبصرین اُن کے زخموں سے متعلق رپورٹس کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور سوال اٹھاتے ہیں کہ آیا وہ نظام کو فعال طور پر چلانے کے قابل بھی ہیں یا نہیں۔ دونوں صورتوں میں، جنگ سے پہلے کی نسبت فیصلے میں مرکزیت کم دکھائی دیتی ہے۔

بظاہر نظر آتا ہے کہ سفارت کاری حکومت کے پاس ہے۔ صدر مسعود پزشکیان کی نگرانی میں وزیر خارجہ عباس عراقچی امریکہ کے ساتھ مذاکرات میں تہران کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ لیکن بظاہر ایسا لگتا ہے کہ کوئی بھی حکمت عملی طے نہیں کر پا رہا۔

عراقچی کی اتھارٹی اس حقیقت سے بھی مزید مشکوک ہو جاتی ہے کہ ایرانی وفد کی قیادت پارلیمان کے سپیکر محمد قالیباف کرتے ہیں۔

عراقچی کا کردار بظاہر احکامات دینے سے زیادہ اعلانات پر مبنی ہی نظر آتا ہے۔ آبنائے ہرمز کھولنے یا بند ہونے سے متعلق اُن کا یوٹرن یعنی پہلے اُنھوں نے بحری آمدورفت کی بحالی کا اشارہ کیا اور پھر اس کی فوری تردید کر دی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فوجی کنٹرول کے مقابلے میں سفارتی فیصلوں کی اہمیت کتنی کم ہے۔

دوسری جانب مسعود پزشکیان نے نظام کی مجموعی سمت کے ساتھ خود کو ہم آہنگ رکھا ہوا ہے، مگر اس کی تشکیل میں نمایاں کردار ادا کرتے نظر نہیں آتے۔ ایک نسبتاً اعتدال پسند شخصیت سمجھے جانے کے باوجود اُنھوں نے اب تک کوئی آزاد موقف اپنانے سے گریز کیا ہے۔

اسلام آباد میں امریکہ کے ساتھ مذاکرات کے دوسرے دور کا تعطل بھی اسی نکتے کو تقویت دیتا ہے۔ سفارتی چینلز کھلے ہونے کے باوجود، نظام یا تو ارادے سے محروم دکھائی دیتا ہے یا عزم ظاہر کرنے سے گریزاں ہے۔

فوج کا بڑھتا ہوا دائرہ اختیار

آبنائے ہرمز پر کنٹرول ایران کے لیے دباؤ کا سب سے فوری ذریعہ ہے۔ لیکن اس کی بندش کے فیصلے سفارتی ٹیم کے بجائے پاسداران انقلاب کے پاس ہیں، جس کی قیادت احمد وحیدی کر رہے ہیں۔ اس سے حقیقی طاقت ان ہاتھوں میں چلی جاتی ہے جو بند دروازوں کے پیچھے عمل کرتے ہیں۔

گذشتہ بحرانوں کے برعکس، اس وقت کوئی ایک ایسا نمایاں چہرہ نہیں جو واضح طور پر فیصلے کر رہا ہو۔ اس کے بجائے ایک خاص طریقہ کار نظر آتا ہے کہ یعنی پہلے کارروائی بعد میں پیغام رسانی اور اس میں بھی بسا اوقات یکسانیت نظر نہیں آتی۔

چاہے آبنائے ہرمز کی بندش نافذ کرنا ہو یا خلیج بھر میں اہداف کو نشانہ بنانا، پاسدارانِ انقلاب کی کارروائیاں بحران کی رفتار طے کرتی نظر آتی ہیں۔ سیاسی اور سفارتی محاذ پر ایرانی قیادت رہنمائی کے بجائے بظاہر ان فیصلوں کی پیروی کرتی نظر آتی ہے۔

ضروری نہیں ہے کہ یہ انتظامی کمزوریوں کی علامت ہو، لیکن اس سے یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ پاسداران انقلاب کی عملی خودمختاری وسیع ہوئی ہے۔

قالیباف کا آگے آنا

اسی ابہام میں محمد باقر قالیباف سامنے آتے ہیں۔ پاسداران انقلاب کے سابق کمانڈر اور موجودہ سپیکرِ پارلیمان کے طور پر، وہ اس وقت کے سب سے نمایاں چہروں میں سے ایک بن کر ابھرے ہیں۔

پارلیمان کے اندر اور قدامت پسند حلقوں میں مذاکرات کی مخالفت اب بھی مضبوط ہے۔ سخت گیر بیانیہ مزید شدت اختیار کر چکا ہے، جہاں ریاستی میڈیا اور عوامی مہمات مذاکرات کو دشمنوں کے سامنے کمزوری کی علامت کے طور پر پیش کر رہی ہیں۔

لہٰذا قالیباف کی پوزیشن نازک ہے، وہ سرگرم تو ہیں مگر واضح طور پر بااختیار نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ان کے اقدامات مجتبیٰ خامنہ ای کی خواہشات کے مطابق ہیں، مگر براہِ راست ہم آہنگی کے شواہد کم دکھائی دیتے ہیں۔ ایک ایسے نظام میں جو اوپر سے آنے والے اشاروں پر منحصر ہو، یہ ابہام معنی خیز ہے۔

'نظام ٹوٹ پھوٹ سے بچ رہا ہے'

ان تمام معاملات کو مجموعی طور پر دیکھا جائے تو ایک ایسا نظام سامنے آتا ہے جو کام تو کر رہا ہے، مگر مربوط انداز میں نہیں چلایا جا رہا۔

رہبر اعلیٰ کی اتھارٹی موجود ہے، مگر واضح طور پر استعمال میں نہیں۔ صدارت ہم آہنگ ہے، مگر قیادت نہیں کر رہی۔ سفارت کاری سرگرم ہے، مگر فیصلہ کن نہیں۔

اس سے یہ نہیں سمجھا جا سکتا کہ ریاستی ڈھانچہ منہدم ہو گیا ہے، ایرانی حکومت بدستور قائم ہے۔ لیکن اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نظام آبنائے ہرمز کی بندش کو حکمت عملی میں ڈھالنے میں مشکل محسوس کر رہا ہے۔ یہ بیک وقت کئی محاذوں پر کارروائی کر سکتا ہے، مگر اپنے ہی مراکزِ طاقت کو واضح سمت دینے میں دشواری محسوس کرتا ہے۔

اور ایران کے سیاسی ماڈل میں، ہم آہنگی اشاروں کے ذریعے برقرار رکھی جاتی ہے۔ فی الحال، نظام دباؤ کے باوجود کنٹرول برقرار رکھے ہوئے ہے اور کسی نمایاں ٹوٹ پھوٹ سے بچ رہا ہے۔

انڈیا مئی 2025 کی لڑائی میں پاکستانی کارروائی میں ہونے والا نقصان تسلیم کرنے سے گریزاں کیوں؟

0-6 دیکھنے میں تو ٹینس میچ کا سکور لگتا ہے لیکن ایک برس قبل پاکستان اور انڈیا کی چار روزہ لڑائی کے بعد یہ ہندسے پاکستان کے ان دعوؤں کا اہم حصہ تھے جو چھ سے دس مئی 2025 کے درمیان ہونے والی عسکری کارروائیوں میں انڈیا کو پہنچنے والے نقصان کے حوالے سے سامنے آئے تھے۔

پہلگام میں سیاحوں پر مہلک حملے کو بنیاد بناتے ہوئے انڈیا کی جانب سے چھ اور سات مئی کی درمیانی شب پاکستان اور اس کے زیرِ انتظام کشمیر میں متعدد مقامات پر میزائل حملوں کے بعد نو مئی کو ایک پریس کانفرنس میں پاکستانی افواج کے نمائندوں نے باضابطہ طور پر انڈین فضائیہ کے پانچ طیارے جن میں تین رفال، ایک مگ 29 اور ایک ایس یو 30 شامل تھا، گرانے کا دعویٰ کیا اور 11 مئی کو ایک پریس کانفرنس میں پاکستانی فضائیہ کے ایئر وائس مارشل اورنگزیب احمد کی جانب سے اس رات گرائے جانے والے انڈین طیاروں کی تعداد چھ بتائی گئی تھی۔

جب اس وقت انڈین حکام سے ان دعوؤں کے بارے میں پوچھا گیا تھا تو ایئر مارشل اے کے بھارتی نے جواب دیا تھا 'جب دو ملکوں کے درمیان جنگ ہوتی ہے تو کچھ نہ کچھ نقصان دونوں جانب ہوتا ہے۔ ہم اپنے نقصان کا جائزہ لیں گے اور اس کی تفصیل بتائیں گے۔'

پاکستان اور انڈیا کے درمیان جنگ بندی کے بعد امریکی صدر نے بھی ایک تقریب کے دوران انڈیا پاکستان جنگ رُکوانے ※ کا ذکر کرتے ہوئے دعویٰ کیا تھا کہ اس دوران پانچ لڑاکا طیارے مار گرائے گئے ※ تاہم ٹرمپ نے یہ واضح نہیں کیا تھا کہ یہ طیارے کس ملک کے تھے اور کس ملک نے گرائے۔

جون 2025 میں ایک انٹرویو کے دوران انڈین مسلح افواج کے چیف آف ڈیفنس سٹاف انیل چوہان نے پاکستان کی جانب سے طیارے گرائے جانے کے دعوؤں کے بارے میں جواب دیتے ہوئے کہا تھا کہ اہم بات یہ نہیں کہ طیارے گرائے گئے بلکہ یہ کہ وہ کیوں گرائے گئے۔ کیا غلطیاں ہوئیں، یہ باتیں اہم ہیں۔ نمبر اہم نہیں ہوتے ※

پاکستان کی جانب سے انڈیا کے طیاروں کی تباہی کے دعوے کیے جانے کے بعد بی بی سی ویریفائی نے تین ایسی ویڈیوز کی تصدیق کی تھی جن کے بارے میں دعویٰ کیا گیا تھا کہ ان میں نظر آنے والا ملبہ ایک فرانسیسی ساختہ رفال طیارے کا ہے جو انڈیا کی فضائیہ کے زیرِ استعمال ہیں۔

ان میں سے ایک ویڈیو کی جیولوکیشن سے بی بی سی ویریفائی کو علم ہوا تھا کہ یہ انڈین ریاست پنجاب میں بھٹنڈہ کے مقام کی ہے۔ اس ویڈیو میں یونیفارم میں ملبوس اہلکار لڑاکا طیارے کا ملبہ جمع کرتے ہوئے دیکھے جا سکتے ہیں۔

بی بی سی ویریفائی نے رات کے وقت بنائی جانے والی دو مزید ویڈیوز کو بھی چیک کیا اور وہ بھی اسی مقام کی تھیں۔ ان میں سے ایک میں کھیتوں میں موجود ملبہ دیکھا جا سکتا تھا جبکہ ایک اور ویڈیو میں دیکھا جا سکتا تھا کہ ایک اڑنے والی چیز کو پہلے آسمان میں آگ لگتی ہے اور پھر وہ ایک کھلے کھیت میں گرتی ہے۔

اس کے علاوہ بی بی سی کے نامہ نگار نے انڈیا کے زیرِ انتظام کشمیر کے علاقے پلوامہ کے قصبے پام پور میں گرنے والے ایک طیارے کے ملبے کو بلڈوزر کی مدد سے منتقل ہوتے ہوئے دیکھا۔

نامہ نگار ریاض مسرور جب موقع پر پہنچے تھے تو قصبے کے مختلف حصوں میں گرنے والے ایک جہاز کے ٹکڑوں کو جمع کیا جا رہا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ ملبے کے معائنے کے لیے انڈین ایئر فورس کی ایک ٹیم بھی جائے وقوعہ پر موجود تھی تاہم حکام کی جانب سے تصدیق نہیں کی گئی کہ یہ کون سا طیارہ تھا یا کس ملک کا تھا۔

بی بی سی کے نامہ نگار کا کہنا ہے کہ اس کے علاوہ جموں کے ضلع رام بن میں بھی چھ اور سات مئی کی درمیانی شب ایک طیارہ تباہ ہوا تھا۔

ضلع رام بن کے علاقے پنتھیال کے سرپنچ ظہور احمد نے بی بی سی کو بتایا تھا کہ اُن کے گاؤں میں بدھ کی شب جیٹ طیاروں کی آواز کے ساتھ ہی ایک زوردار دھماکہ ہوا جس کے بعد وہ خود پولیس کے ہمراہ جائے واردات پر پہنچے تھے۔

اس کے علاوہ پاکستان کی جانب سے انڈیا کے عسکری اہداف کو نشانہ بنانے کا پہلا دعویٰ دس مئی کو آپریشن بنیان المرصوص کے آغاز کے بعد سامنے آیا اور پاکستان کے سرکاری ذرائع ابلاغ کا کہنا تھا کہ سکیورٹی ذرائع کی جانب سے کیے دعووں کے مطابق انڈیا میں متعدد مقامات پر حملے کیے گئے جن میں بیاس میں 'براہموس میزائل' کی سائٹ کے علاوہ ادھم پور ایئر بیس اور پٹھان کوٹ میں ایئر فیلڈ کو تباہ کر دیا گیا۔

سکیورٹی ذرائع کا کہنا تھا کہ ادھم پور کے علاوہ سری نگر، پٹھان کوٹ، آدم پور، بھٹنڈہ، سرسا اور سورت گڑھ میں فضائی اڈوں کو نشانہ بنایا گیا ہے جبکہ راجوری اور بارہمولا میں عسکری تنصیبات ہدف تھیں۔

دس مئی کو انڈیا کی وزارت دفاع کے حکام نے تسلیم کیا کہ 'پاکستان نے انڈیا کے 26 مقامات پر مربوط حملے کیے ہیں' تاہم ان کا کہنا تھا کہ 'انڈیا کی مسلح افواج نے دفاعی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان حملوں کو ناکام بنا دیا۔'

اسی دن انڈین فوج کی کرنل صوفیہ قریشی نے پریس کانفرنس میں کہا کہ 'پاکستان نے لگاتار کارروائیاں کیں جن میں ڈرونز اور لانگ رینج ہتھیاروں کا استعمال کرتے ہوئے انڈین انفراسٹرکچر کو نشانہ بنایا گیا۔'

ان کا کہنا تھا جن مقامات کو نشانہ بنایا گیا ان میں جموں، سانبہ، راجوری، ادھم پور، نگروٹا، اونتی پورہ، ریاسی، پونچھ، اکھنور اور پنجاب میں پٹھان کوٹ اور امرتسر شامل ہیں۔ اس لڑائی کے چند ماہ بعد انڈیا کی جانب سے جہاں پاکستان کو نقصان پہنچانے کے نئے دعوے سامنے آئے وہیں انڈیا کو پہنچنے والے نقصان کی تفصیلات کا ذکر پھر بھی نہیں کیا گیا۔

اور اب انڈیا کی عسکری کارروائی کی برسی پر چند دن قبل انڈیا کی تینوں مسلح افواج کی جانب سے مشترکہ پریس کانفرنس میں جب ایک نامہ نگار نے اعلی انڈین فوجی حکام سے پوچھا کہ گزشتہ برس چار روزہ لڑائی کے دوران انڈیا کو کیا نقصان پہنچا تھا، تو اس کے جواب میں ایئر مارشل اے کے بھارتی نے جواب دیا کہ انڈیا کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔

ان کا کہنا تھا وہ نہ تو ہمارا کوئی بڑا نقصان کرنے میں کامیاب ہوئے اور نہ ہی ہمارے کسی عسکری یا سویلین ڈھانچے کو نقصان پہنچا۔ جو بھی جہاز، میزائل اور ڈرونز ہماری طرف آئے، ہم نے انھیں مربوط طریقۂ کار سے تباہ کر دیا۔ پاکستان جو بھی کہے یہ یاد رکھیے کہ بیانیے اور تقریر سے جیت نہیں ہوتی۔ حقیقت یہ ہے کہ سات مئی کو ہم نے ان کے نو دہشت گرد ٹھکانوں کو تباہ کیا۔ ہم نے ان کے 11 فضائی اڈوں کو تباہ کیا۔ زمینی حقیقت یہ ہے کہ ہم نے ان کے 13 جہاز تباہ کیے خواہ وہ فضا میں تھے یا زمین پر۔

اس پریس کانفرنس میں انڈیا کی مئی 2025 میں عسکری کارروائی کے وقت کے ڈی جی ایم او لفٹیننٹ جنرل راجیو گھئی بھی موجود تھے۔ انھوں نے انڈیا کو ہونے والے نقصانات کے بارے پوچھے گئے سوال کے جواب میں کہا کہ 'ہم جب آپ کے سامنے پہلی بار آئے تھے تو ہم ویڈیو، فوٹو گراف اور ٹائم لیپس کے ساتھ آئے۔ آپ نے انڈیا کے نقصان کے بارے میں ایسی

کوئی مستند ویڈیو دیکھی ہے جو پاکستان نے پیش کی ہو۔ جب آپ اس نوعیت کا آپریشن کرتے ہیں تو آپ کے پاس ثبوت ہونا چاہیے جو کہ پاکستان کے

پاس نہیں ہے۔' انڈیا- پاکستان جنگ کے بارے میں دعوؤں اور جوابی دعوؤں کے درمیان یہ سوال بار بار اٹھتا رہا ہے کہ اس جنگ میں انڈیا کو کیا نقصان پہنچا؟ اہم امر یہ ہے کہ پاکستان نے اپنے یہاں انڈین حملوں کا نشانہ بننے والے مقامات تک بین الاقوامی میڈیا کو رسائی دی تھی اور وہاں ہونے والے نقصانات کی ویڈیوز اور تصویریں جاری کی گئی تھیں تاہم اس کے برعکس انڈیا میں میڈیا کو فضائی اڈوں اور دیگر متعلقہ فوجی تنصیبات تک رسائی نہیں دی گئی اور جو خبریں آ رہی تھی وہ وہی تھیں جو سرکاری طور پر نیوز کانفرنس

میں بتائی جاتی تھیں جن کی آزادانہ ذرائع سے تصدیق ممکن نہیں تھی۔

دفاعی تجزیہ کار پروین ساہنی نے اس بارے میں بی بی سی سے بات کرتے ہوئے کہا کہ 'چار روز کی اس جنگ میں پہلی رات کی لڑائی بہت اہم تھی۔ امریکی کانگریس نے نومبر 2025 میں ایک رپورٹ پیش کی اس میں انھوں نے صاف لکھا ہوا ہے کہ چار کی دن کی لڑائی میں پاکستان کی فوج نے انڈین فوج سے بہتر کارکردگی دکھائی۔

'امریکی کانگریس اور دنیا نے یہ نتیجہ پہلی رات کی لڑائی کی بنیاد پر نکالا تھا۔ انڈیا اور پاکستان کے بارے میں یہ تاثر بنا ہوا تھا کہ دونوں ملکوں میں روایتی جنگ کی جو صلاحیت ہے اس میں انڈیا کو برتری حاصل ہے۔ امریکی کانگریس کی رپورٹ نے اس تاثر کو توڑ دیا۔ انڈیا کی روایتی جنگ میں برتری کی شبیہ ٹوٹ گئی۔'

اس جنگ میں انڈیا کو ہونے والے ممکنہ نقصانات کے بارے میں پروین ساہنی کہتے ہیں کہ 'آج ٹیکنالوجی کے سبب ہر چیز گلوبلائزڈ ہے۔ سٹیلائٹ سے تصاویر ملتی ہیں۔ اس لیے کھل کر بات کرنی بہت ضروری ہو جاتی ہے۔ اگر کھل کر بات نہیں کریں گے تو آپ کے بیانیے کے بارے میں لوگوں کے ذہن میں شک و شبہات پیدا ہوں گے۔'

وہ کہتے ہیں کہ 'انڈیا نے جنگ کے سب سے اہم دن یعنی پہلے دن کے بارے میں تفصیلات نہیں دیں جبکہ پاکستان کی فضائیہ نے انٹرنیشنل میڈیا کو بریفنگ بھی دی۔ اس کے بارے میں تفصیل سے وضاحت بھی کی۔ اس کے ساتھ ساتھ پاکستان کے وزیر اعظم شہباز شریف نے اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم سے کہہ دیا کہ پاکستان نے انڈیا کے سات جہاز گرا دیے ہیں۔ 'انڈیا کی طرف سے اس کا جواب آنا چاہیے تھا لیکن انڈیا خاموش رہا۔ انڈیا کا تجزیہ پانچ مہینے بعد سامنے آیا جب فضائیہ کے سربراہ اے پی سنگھ نے بنگلور میں ایک لیکچر میں کہا کہ انڈین فضائیہ نے پاکستان کے پانچ فائٹرز گرائے تھے لیکن اس بیان کو کسی نے اہمیت نہیں دی اور نہ ہی یہ انٹرنیشنل میڈیا میں دکھائی دیا۔ انڈیا کی جو پوزیشن تھی اسی کی تفصیلات آنی چاہییں تھیں۔ انڈیا نے وہ موقع کھو دیا تھا۔'

سرکردہ دفاعی تجزیہ کار راہل بیدی انڈیا پاکستان جنگ کے بارے کہتے ہیں کہ 'پاکستان نے پنجاب سے کشمیر اور گجرات کے بھج سیکٹر تک فضائی حملے کیے تھے لیکن انڈیا کا جو فضائی دفاعی گرڈ سسٹم تھا وہ تین سے چار دفاعی دائروں پر محیط تھا۔ اس میں ایس 400 سب سے پہلا اور موثر دفاعی دائرہ تھا۔ انڈیا نے جو دفاعی شیلڈ بنائی تھی اس سے انڈین فوجی اڈوں کو کوئی خاص نقصان نہیں پہنچ سکا۔'

راہل بیدی کہتے ہیں کہ 'سرکاری طور پر انڈیا نے یہ کبھی قبول نہیں کیا کہ اس کا کوئی جنگی جہاز گرا ہے یا اسے کوئی بڑا نقصان پہنچا ہو لیکن غیر سرکاری طور پر سننے میں آتا ہے کہ چار یا پانچ جہاز گرائے گئے ہیں۔ ان کے ملبے جموں، بھٹنڈہ اور پٹھان کوٹ کے پاس ملے تھے۔ ایئر چیف مارشل اے پی سنگھ نے بھی کہا تھا کہ 13 پاکستانی جہاز گرائے گئے لیکن اپنے جہازوں کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ چیف آف ڈیفنس سٹاف جنرل چوہان نے بھی کہا کہ لڑائی میں تو نقصان ہوتے ہی ہیں لیکن انھوں نے بھی کوئی تفصیل نہیں دی۔

'اب ایک سال گزر چکا ہے اگر اس کے بارے میں کوئی اعداد و شمار آنے ہوتے تو اب تک آ گئے ہوتے۔ یہ بھی ایک پہلو ہے کہ اگر کوئی پائلٹ مر جاتا تو آخری رسوم وغیرہ سے لوگوں کو پتا چل جاتا۔ ایسا لگتا ہے کہ پاکستان کے مقابلے انڈیا کا نقصان بہت کم ہوا ہے۔'

آبزرور ریسرچ فاؤنڈیشن کے محقق اور تجزیہ کار منوج جوشی کا کہنا ہے پاکستان نے جو دعوے کیے تھے ان کا کوئی ثبوت نہیں ملا۔ وہ کہتے ہیں کہ 'پاکستان نے انڈیا کے ایس 400 دفاعی نظام کو تباہ کرنے کا دعوی کیا تھا لیکن اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ جہازوں کے گرنے کے ثبوت تو ہیں لیکن وہ کس کا جہاز تھا، کہاں سے آیا تھا اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔'

سو بیانیے کی اس جنگ میں پاکستان ہو یا انڈیا دونوں اپنی اپنی جیت کا دعویٰ کر رہے ہیں لیکن اس صورتحال میں بین الاقوامی سطح پر یہ تاثر پیدا ہوا کہ انڈیا اپنی جنگی کارروائی اور نقصانات کے بارے میں پوری معلومات دینے سے گریز کر رہا ہے۔ انڈیا نے مئی 2025 کی عسکری کارروائی کے بعد 30 سے زیادہ ملکوں میں پارلیمانی وفود بھی بھیجے تا کہ وہ انھیں انڈیا کے موقف کا ہمنوا بنا سکے۔ اس سلسلے میں حکومت کو کچھ حد تک کامیابی ضرور ملی لیکن انڈیا کے بیانیے کو عمومی قبولیت نہیں مل سکی ہے۔

حکومتِ پاکستان نے ملک میں پیٹرول اور ڈیزل کی قیمت میں ایک بار پھر اضافہ کر دیا۔ جمعرات کی شب پیٹرولیم ڈویژن سے جاری ہونے والے نوٹیفکیشن کے مطابق یکم مئی سے

پیٹرول اور ڈیزل کی قیمت میں اضافہ

حکومتِ پاکستان کسی بحران سے بچنے کے لیے خود تیل کا ذخیرہ کیوں نہیں کر سکتی؟

پیٹرول کی فی لیٹر قیمت میں چھ روپے 51 پیسے کا اضافہ کیا گیا، جس کے بعد اس کی نئی قیمت 399 روپے 86 پیسے فی لیٹر ہو گئی۔

اس کے علاوہ ہائی سپیڈ ڈیزل کی فی لیٹر قیمت میں 19 روپے 39 پیسے کا اضافہ کیا گیا، جس کے بعد اس کی نئی قیمت 399 روپے 58 پیسے فی لیٹر ہو گئی۔

نوٹیفکیشن کے مطابق پیٹرول پر فی لیٹر لیوی 3 روپے 88 پیسے کم کر دی گئی جبکہ ڈیزل پر فی لیٹر 28 روپے 69 پیسے لیوی عائد کی گئی۔ ڈیزل پر پہلے یہ لیوی صفر تھی۔

ایران کی اسرائیل اور امریکہ سے جنگ کے بعد سے تیل کی عالمی قیمتیں مسلسل اتار چڑھاؤ کا شکار ہیں اور پاکستانی حکام نے اس بحران کے بعد ملک میں پیٹرول اور ڈیزل کی قیمتوں کا تعین ہفتہ وار کرنے کا اعلان کر رکھا ہے۔

امریکی صدر ٹرمپ کی جانب سے ایران کے خلاف مزید جنگی کارروائیوں اور بحری ناکہ بندی کو طول دینے پر غور اور آبنائے ہرمز کی مسلسل بندش کی وجہ سے جمعرات کو برینٹ خام تیل کی فی بیرل قیمت تقریباً سات فیصد اضافے کے بعد 126 ڈالر سے اوپر چلی گئی تھی۔ یہ سنہ 2022 میں یوکرین پر روسی حملے کے بعد کی بلند ترین سطح تھی۔

تاہم دن کے اختتام پر عالمی مارکیٹ میں برینٹ خام تیل کی فی بیرل قیمت کم ہو کر 114 ڈالر پر آ گئی جبکہ ڈبلیو ٹی آئی 110 ڈالر فی بیرل سے کم ہو کر 104 ڈالر فی بیرل پر آ گیا تھا۔

جمعرات کو پاکستان میں شام سے ہی ملک کے بڑے شہروں میں پیٹرول پمپس پر گاڑیوں کی طویل قطاریں دیکھی گئیں جس کی وجہ قیمت میں اضافے کے علاوہ سوشل میڈیا پر پیٹرولیم ڈیلرز کی ہڑتال کی افواہیں بھی رہیں تاہم پیٹرولیم ڈویژن کی جانب سے بھی کہا گیا کہ یکم مئی سے پیٹرول پمپس کی بندش کی خبروں میں کوئی صداقت نہیں اور پیٹرولیم مصنوعات کی فراہمی بلاتعطل جاری رہے گی۔

ایران امریکہ جنگ کے آغاز کے بعد سے پاکستان کے سرکاری حکام بارہا یہ واضح کر چکے ہیں کہ ملک کے پاس کسی بھی بحران اور ہنگامی صورتحال میں تیل کا 28 روز کا سٹاک موجود رہتا ہے مگر کیا یہ کافی ہے؟ یہی وہ سوال ہے جس نے ملک میں سٹریٹیجک ریزروز کی عدم موجودگی کے معاملے کو ایک بار پھر بحث کا موضوع بنا دیا۔

پاکستان کے وزیر پیٹرولیم علی پرویز ملک بھی پاکستان میں تیل کے سرکاری وسائل نہ ہونے پر بات کر چکے ہیں۔ ایک نیوز چینل کو دیے انٹرویو کے دوران ان کا کہنا تھا کہ 'سٹریٹیجک ریزورز حکومت کی ملکیت میں ہوتے ہیں، اسے کسی بھی وقت ریلیز کر کے قیمت میں رد و بدل کیا جا سکتا ہے۔'

انھوں نے تسلیم کیا کہ 'پاکستان کے پاس وسائل کی قلت ہے، اس لیے حکومت کے پاس سٹریٹیجک ریزورز نہیں مگر ریفائنریز اور او ایم سیز کو جو ہم نے لائسنسز دیے ہوئے ہیں، اس کے مطابق ہمارے پاس ایک ماہ سے زیادہ کا تیل موجود ہوتا ہے۔'

وہ کہتے ہیں کہ ملک میں تیل کی سٹوریج سے متعلق ایک منصوبہ ترتیب دیا جا رہا ہے جس میں 'تمام وسائل کو میپ کیا جائے گا۔'

انھوں نے کہا کہ بیرون ملک تیل کی کمپنیاں جیسے آرامکو کے ساتھ مل کر 'ویئر ہاؤس سکیم کو بھی اپ ڈیٹ کرنے جا رہے ہیں۔'

ملک میں اس حوالے سے مختلف تجاویز زیرِ غور ہیں اور اگر مقامی ذرائع ابلاغ پر نظر دوڑائی جائے تو ایسی اطلاعات بھی ہیں کہ پیٹرولیم ڈیویلپمنٹ لیوی (پی ڈی ایل) میں کچھ رقم اس مقصد کے لیے مختص کی جائے۔

آیئے جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ سٹریٹیجک آئل ریزروز کیا ہیں اور پاکستان کو دیگر ممالک کی طرح انھیں قائم کرنے میں کیا چیلنجز درپیش ہو سکتے ہیں۔

سٹریٹیجک آئل ریزورز کیا ہوتے ہیں؟

سٹریٹیجک آئل ریزروز یا سٹریٹیجک پیٹرولیم ذخائر وہ ہنگامی تیل کے ذخیرے ہوتے ہیں جو ممالک اس مقصد کے لیے محفوظ رکھتے ہیں کہ جنگ، قدرتی آفات، پابندیوں یا عالمی منڈی میں اچانک سپلائی میں رکاوٹ کی صورت میں توانائی کی فراہمی متاثر نہ ہو۔

اکثر خام تیل کی صورت میں یہ تیل پہلے ہی نکالا جا چکا ہوتا ہے اور ضرورت پڑنے پر فوری طور پر مارکیٹ میں لایا جا سکتا ہے۔

ان ذخائر کا تصور خاص طور پر 1970 کی دہائی کے تیل بحران کے بعد سامنے آیا، جس کے بعد بین الاقوامی توانائی ایجنسی نے رکن ممالک کو لازم کیا کہ وہ کم از کم 90 دن کی درآمدات کے برابر تیل کا ذخیرہ رکھیں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ قیمتوں میں شدید اُتار چڑھاؤ کو روکا جا سکے اور معیشت کو بڑے جھٹکے سے بچایا جا سکے۔

امریکہ، چین اور جاپان کے پاس دنیا کے بڑے سٹریٹیجک آئل ذخائر ہیں اور ماضی میں روس یوکرین جنگ سمیت کئی عالمی بحرانوں کے دوران ان ذخائر سے تیل جاری کیا جا چکا ہے تا کہ عالمی منڈی کو سہارا دیا جا سکے۔

مگر اب حالیہ ایران جنگ کے دوران بھی ان کی ضرورت پر زور دیا جا رہا ہے کہ جب خلیجی ممالک پر ایرانی حملوں کے بعد تیل کی پیداوار متاثر ہوئی جبکہ آئل ٹینکروں کو آبنائے ہرمز سے گزرنے میں دشواری کا سامنا ہے۔

کیا پاکستان کو واقعی سٹریٹیجک ریزروز کی ضرورت ہے؟

مشرق وسطیٰ کے بحران کے دوران پاکستانی حکام بارہا یہ تسلی دے چکے ہیں کہ ملک کے پاس کسی بھی وقت میں تیل کا 28 دن کا سٹاک موجود رہتا ہے مگر وہ اس وقت کمرشل ذخائر کی بات کر رہے ہوتے ہیں۔

پاکستان انسٹیٹیوٹ آف ڈیویلپمنٹ اکنامکس (پائیڈ) میں توانائی کے شعبے کی محقق ڈاکٹر عافیہ ملک کا کہنا ہے کہ اصولاً صرف سٹریٹیجک ریزروز کا

اختیار حکومت کے پاس ہوتا ہے جبکہ کمرشل ریزروز ریفائنریوں اور آئل مارکیٹنگ کمپنیوں کے پاس ہی ہوتے ہیں جنھوں نے اس شعبے میں سرکایہ کاری کی ہوئی ہوتی ہے۔

ان کا کہنا ہے کہ پاکستان کے پاس اس وقت 20 سے زیادہ دن کا 'امپورٹ کور' موجود ہے۔ تیل اور گیس کے محکمے اوگرا نے کمپنیوں کے لائسنسز میں یہ شرط شامل کی ہوئی ہے کہ ان کے پاس 20 روز کا سٹاک موجود ہونا چاہیے۔ یعنی یومیہ جتنا سٹاک نکل رہا ہے، وہ اسے پورا کر رہے ہوتے ہیں۔ اس تیل کی سٹوریج کے لیے ان کمپنیوں کے مارجن سے بھی کچھ حصہ خرچ ہوتا ہے۔

مگر سٹریٹیجک ریزروز کا مقصد سپلائی چین میں خلل یا بحران کی صورت سے نمٹنا ہے۔

ڈاکٹر عافیہ کے مطابق اگر یہ ریزروز خام تیل کی صورت میں ہوں تو انھیں ریفائنریوں کو آکشن کیا جاتا ہے اور اگر یہ پیٹرولیم مصنوعات کی صورت میں ہیں تو انھیں آئل مارکیٹنگ کمپنیوں کو فروخت کیا جاتا ہے۔

زاہد میر ملک میں تیل و گیس کے شعبے میں کئی دہائیوں تک مختلف کمپنیوں کے ساتھ وابستہ رہ چکے ہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ پاکستان میں یہ بحث گذشتہ 30 سال سے ہو رہی ہے کہ آیا اس کی ضرورت ہے یا نہیں۔

لیکن وہ کہتے ہیں کہ اس کی اس لیے ضرورت ہے کہ پاکستان کی تیل کی درآمدات پر مشرق وسطیٰ پر بہت زیادہ انحصار ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس وقت تو پاکستان متحدہ عرب امارات میں فجیرہ بندرگاہ سے تیل کی درآمدات جاری رکھ پا رہا ہے، یعنی اس کے لیے آبنائے ہرمز سے گزرنا نہیں پڑتا یا سعودی عرب سے بحیرۂ احمر کی طرف سے تیل کی درآمدات جاری ہیں۔

لیکن اگر ان راستوں پر نئے چیلنجز پیدا ہوتے ہیں، جیسے بحیرہ احمر پر حوثیوں کے حملے، تو خام تیل درآمد کرنا ناممکن ہو سکتا ہے۔

اس صورت میں ان کے بقول پاکستان کو انٹرنیشنل مارکیٹ سے تیل خریدنا پڑے گا جس سے لاگت زیادہ آئے گی اور زیادہ وقت لگے گا۔ مثلاً امریکہ سے تیل لانے میں ایک ماہ اور نائیجریا سے 28 دن لگ سکتے ہیں۔

وہ اس جانب بھی اشارہ کرتے ہیں کہ جنگوں کی صورت میں بھی بندرگاہوں کی ناکہ بندی کر کے سپلائز کو روکا جاتا ہے، جیسے 1971 کی جنگ میں ہوا تھا۔

تو یہ ریزروز ایسے دنوں کے لیے ضروری ہیں تاکہ 'بحران میں بھی ریفائنریوں کو آپریٹ کیا جا سکے اور بڑھتی قیمت کو کنٹرول کیا جائے۔'

وہ مثال دیتے ہیں کہ امریکہ کے پاس 800 ملین بیرل کے ریزروز ہیں جن کے ذریعے وہ قیمت میں تیزی کو کنٹرول کرتے ہیں۔

سٹریٹیجک ریزروز رکھنا کیوں مشکل ہے؟

ڈاکٹر عافیہ ملک بتاتی ہیں کہ پاکستان کے تناظر میں یہ اس لیے مشکل ہے کیونکہ اس کے لیے مہنگے انفراسٹرکچر پر سرمایہ کاری درکار ہوتی ہے۔ اس وقت ملک میں سٹوریج کی تنصیبات 'صرف ریفائنریوں اور آئل مارکیٹنگ کمپنیوں کے پاس ہیں۔'

اس کے لیے 'سٹیبلائزر، احتیاطی تدابیر اور انفراسٹرکچر درکار ہے جو اسے مہنگا منصوبہ بنا دیتا ہے۔ اس کے لیے اربوں ڈالر کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے بعد مینٹیننس کی بھی لاگت آتی ہے۔ چونکہ پاکستان میں تیل کی مقامی پیداوار نہیں تو ان ریزروز کو بھرنے کے لیے وسائل چاہییں۔'

وہ کہتی ہیں کہ دنیا بھر میں ان ریزروز پر اس وقت تیزی سے کام کیا جاتا ہے جب عالمی منڈیوں میں تیل کی قیمتیں کم ہوں۔

ادھر زاہد میر کا کہنا ہے کہ چین اور انڈیا نے اپنی ضرورت کے مطابق ایسے ریزروز رکھے ہوئے ہیں اور انھیں زیرِ زمین یا ٹینکوں کے اندر یا نمک کی

کانوں میں رکھا جاتا ہے۔

زاہد میر کا کہنا ہے کہ پاکستانی حکومت کے پاس یقیناً اتنے وسائل نہیں کہ وہ سٹریٹیجک ریزروز قائم کر سکیں۔ یہ تجویز سامنے آئی ہے کہ اس کے لیے ایک سرکاری کمپنی بنائے جائے 'مگر مسئلہ یہ ہے کہ پاکستان میں اس کا خیال صرف اسی وقت آتا ہے جب کوئی بحران پیدا ہوتا ہے۔ اس کے بعد سب بھول جاتے ہیں۔'

چونکہ یہ ریزروز کمرشل نہیں بلکہ سٹریٹیجک مقاصد کے لیے قائم کیے جاتے ہیں تو عام حالات میں ان سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

تیل کی صنعت کے ماہر کا کہنا ہے کہ اس کے لیے آئل پروڈیوسرز یا دیگر کمپنیوں کے ساتھ شراکت بھی قائم کی جا سکتی ہے۔ وہ انڈیا کی مثال دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس نے بعض ریزروز کے لیے ایک کمپنی سے ہی شراکت کی ہوئی تھی اور حالیہ بحران کے دوران ملک کی ضرورت کو اسی سٹوریج فیسلٹی سے پورا کیا گیا۔

دریں اثنا پاکستان کے پاس یہ آپشن بھی موجود ہے کہ ان ریزروز کے لیے کسی دوست ملک سے مدد حاصل کی جائے۔

ڈاکٹر عافیہ کا کہنا ہے کہ پاکستان اپنے سٹریٹیجک ریزروز کسی دوسرے ملک میں بھی رکھوا سکتا ہے یا پھر کسی دوسرے کی کمپنی کو پاکستان میں اس شعبے میں سرمایہ کاری کی دعوت دے سکتا ہے۔ یوں اس سٹوریج فسیلٹی کو پہلے پاکستان کے لیے استعمال کیا جا سکے گا۔

دوسری طرف زاہد میر کہتے ہیں کہ اصولاً یہ اضافی تیل اپنے ہی ملک میں موجود ہونا چاہیے کیونکہ مستقبل میں بھی مشرق وسطیٰ میں سپلائی چین میں خلل پیدا ہونے کا خدشہ برقرار ہے۔

مگر یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا سٹریٹیجک ریزروز قائم

کرنے کی بجائے ریفائنریز اور آئل مارکیٹنگ کمپنیوں کو اپنا سٹاک بڑھانے پر آمادہ کیا جا سکتا ہے۔

اس پر ڈاکٹر عافیہ کہتی ہیں کہ ان کمپنیوں کے پاس لیکویڈٹی کے وسائل ہوتے ہیں اور حکومت کو مزید سٹوریج فسیلٹیز کے لیے انھیں مالی مراعات دینی پڑیں گی تاکہ وہ مزید سرمایہ کاری کر سکیں۔

مقامی ذرائع ابلاغ کی بعض خبروں کے مطابق ایسی تجاویز بھی زیرِ غور ہیں کہ سٹریٹیجک ریزروز بنانے کے لیے پیٹرولیم ڈیویلپمنٹ لیوی یعنی پی ڈی ایل کو بڑھا دیا جائے تاہم ڈاکٹر عافیہ ملک اس تجویز سے اتفاق نہیں کرتیں اور ان کا کہنا ہے کہ موجودہ لیوی کو ہی استعمال کیا جانا چاہیے، نہ کہ ان کے لیے عوام پر مزید بوجھ ڈالا جائے۔

جبکہ زاہر میر کا کہنا ہے کہ اگر ملک میں ایک ماہ میں دو ارب لیٹر پیٹرول فروخت ہوتا ہے اور اس میں صرف پانچ روپے کا پی ڈی ایل بھی شامل کیا جائے تو اس سے 20 ارب روپے جمع کیے جا سکتے ہیں۔ 'تو یہ تجویز ہے کہ آپ کو کہیں سے تو شروع کرنا ہے کیونکہ حکومت کے پاس تو اتنے پیسے نہیں کہ اس پر خرچ کر سکے۔'

ایرانی سفارت خانوں نے دورانِ جنگ 'ایکس' کو ہتھیار کیسے بنایا؟

ایران اور امریکہ کے درمیان جنگ بندی سے قبل ایک ایسا وقت تھا جب صدر ڈونلڈ ٹرمپ تہران پر معاہدے کرنے کے لیے دباؤ ڈال رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ ایسا نہ کرنے کی صورت میں ملک میں موجود پلوں اور پاور سٹیشنز پر حملے کیے جائیں گے۔

امریکی صدر کی ڈیڈ لائن پر تبصرہ کرتے ہوئے زمبابوے میں ایرانی سفارتخانے نے لکھا: آٹھ بجے کا وقت مناسب نہیں۔ کیا اسے ایک یا دو بجے کیا جاسکتا ہے، یا پھر رات ایک یا دو بجے کے درمیان؟

امریکہ اور اسرائیل کی ایران کے ساتھ جنگ اور اس کے بعد ہونے والی جنگ بندی کے دوران ایکس پر ایرانی سفارتی اکاؤنٹس تہران کے پیغامات نشر کرنے اور اپنی ڈیجیٹل موجودگی کو مضبوط بنانے کا ایک مرکزی ذریعہ بن گئے۔

انھوں نے ایک غیر روایتی طرزِ عمل اپنایا، جس میں میمز، طنز اور مربوط جوابی پیغامات شامل تھے، تاکہ ایرانی بیانیے کو آگے بڑھایا جاسکے اور امریکی حکام کے بیانات کا توڑ کیا جاسکے۔

10 اپریل کو صدر ٹرمپ نے اپنے ٹروتھ سوشل پلیٹ فارم پر لکھا کہ ایرانی لڑائی سے زیادہ جعلی خبریں پھیلانے اور پبلک ریلیشنز کے ماہر ہیں اور یہاں ان کا اشارہ ایران کی مؤثر آن لائن مہم کی طرف تھا۔

جنگ کی ابتدا کے بعد ایرانی سفارتخانوں کے اکاؤنٹس روایتی سفارتی زبان ترک کرتے ہوئے نظر آئے اور اس کے بجائے انھوں نے تنقید کا جواب دینے کے لیے طنز و مزاح اور جنگ مخالف بیانات کا سہارا لیا اور موجودہ بیانیے کو چیلنج کرنے کی کوشش کی۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ حکمتِ عملی ایران کی بین الاقوامی ساکھ کو بہتر بنانے کے لیے اپنائی گئی ہو، جو جنوری میں ایران کے مظاہرین کے خلاف کریک ڈاؤن کے بعد متاثر ہوا تھا۔

جنگ کے دوران کونسے ایرانی سفارتی خانے متحرک تھے؟

اس دوران سوشل میڈیا پر جنوبی افریقہ، زمبابوے، انڈیا اور جاپان میں ایران کے سفارتی مشنز بہت متحرک نظر آئے۔

ایکس پر ایران کی وزارتِ خارجہ 130 سفارتخانوں اور قونصل خانوں کے ساتھ جُڑی ہوئی ہے، جن میں سے زیادہ تر اکاؤنٹس نے بیک وقت ایک جیسے پیغامات سوشل میڈیا پر جاری کیے۔ اس مہم میں جنوبی افریقہ میں ایران کے سفارتی مشن نے نمایاں حیثیت حاصل کی، جہاں سے طنزیہ مواد کی بار بار اشاعت اور امریکی پالیسیوں پر تنقید اور تمسخر اُڑانے والی ویڈیوز کی پوسٹ کی گئیں جنھیں خاصی توجہ بھی ملی۔ یہ ان پہلے اکاؤنٹس میں بھی شامل تھا جنھوں نے اس طرزِ عمل کو اپنایا۔

ان پیغامات کا ہدف کون تھا؟

یہ پیغامات بظاہر بنیادی طور پر ایران سے باہر بیٹھے افراد کے لیے تھے، نہ کہ ایرانی عوام کے لیے۔

ایران میں دیگر سوشل میڈیا پلیٹ فارمز کے ساتھ ساتھ ایکس پر بھی پابندی عائد ہے۔

28 فروری کو اس جنگ کی شروعات کے بعد ہی ایرانی عوام کو انٹرنیٹ تک رسائی حاصل کرنے میں دشواری کا سامنا تھا کیونکہ ملک میں اس وقت بھی انٹرنیٹ پر جزوی بندش برقرار ہے۔

ان سوشل میڈیا اکاؤنٹس سے شائع کیے جانے والے پیغامات انگریزی زبان میں لکھے گئے تھے اور ان کی توجہ کا مرکز امریکہ خارجہ پالیسی کی مخالفت، جنگ کی مخالف کرنے والے گروہ اور امریکی معاشرے کے کچھ حلقے تھے۔

ان پیغامات کا لب و لہجہ طنز و مزاح اور جذبات کو بھڑکانے والا تھا، جس کا مقصد بظاہر ان نوجوانوں کی توجہ حاصل کرنا تھا جو بنیادی طور پر امریکی پالیسیوں کے ناقد ہیں۔

پوسٹ کیے گئے مواد کی نوعیت کیا تھی؟

ایرانی سفارتخانوں کے اکاؤنٹس نے طنز و مزاح اور جذبات سے بھرپور مواد شائع کیا، جن میں مصنوع ذہانت سے بنائی گئی چیزیں بھی شامل تھیں۔ ان پیغامات میں امریکی حکام کا تمسخر اڑایا جارہا تھا اور خصوصاً امریکی صدر ٹرمپ کا بدلتا ہوا مؤقف ان کے نشانے پر تھا۔

ان اکاؤنٹس سے شائع ہونے والے نمایاں جملوں میں سے ایک امریکہ کی جانب سے آبنائے ہرمز کے حوالے سے دی جانے والی ایک دھمکی سے متعلق تھا، جس پر سفارتی اکاؤنٹس نے مربوط طنزیہ انداز میں ردِ عمل دیا جو کہ آبی گزرگاہ کی چابیاں کھودینے کے حوالے سے تھا۔

اس کے برعکس کچھ مواد کی تیاری میں سنجیدہ لب و لہجہ استعمال کیا گیا تھا، مصنوعی ذہانت کا سہارا لے کر امریکی اور اسرائیلی حملوں کے متاثرین کی کہانیاں سنائی گئی تھیں اور ایک جذباتی بیانیہ بنانے اور جنگ کے اثرات دکھانے کی کوشش کی گئی تھی۔

ان پیغامات میں امریکی حکام کو بھی نشانہ بنایا، خاص طور پر اس وقت جب ایران کو پتھر کے زمانے کو زمانے میں بھیجنے کی دھمکیوں کا سامنا تھا۔ اس کے جواب میں ایرانی سفارتخانوں اور قونصل خانوں کے اکاؤنٹس نے ایران کی قدیم تہذیب کو اجاگر کرنے والے تاریخی حوالہ جات پیش کیے۔

جیسے جیسے امریکہ اور ایران کے درمیان جنگ بندی آگے بڑھی، ایرانی بیانیہ ملک کی مضبوطی اور فتح کو اجاگر کرنے کی طرف منتقل ہوتا گیا، جہاں پوسٹس میں بین الاقوامی سطح پر ایران کے مقام اور طاقت پر زور دیا گیا۔

نمایاں ترین مواد میں انڈیا میں ایرانی سفارت خانے کی جانب سے شائع کی گئی مصنوعی ذہانت سے تیار کردہ ایک تصویر شامل تھی، جس کے ساتھ لکھا تھا: ایرانی تہذیب کے سامنے جھک جاؤ۔

اس نوعیت کے مواد میں بار بار سامنے آنے والا ایک اور موضوع ڈونلڈ ٹرمپ اور جیفری اپسٹین کے درمیان مبینہ روابط کا حوالہ ہے، جو اپسٹین کیس سے متعلق ایک وسیع تر تناظر میں پیش کیا جاتا ہے۔

ٹروتھ سوشل پر امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کی ایک حالیہ پوسٹ جس میں مصنوعی ذہانت سے تیار کردہ تصویر میں انھیں مسیحا کے روپ میں ایک ہسپتال میں مریض کا علاج کرتے ہوئے دکھایا گیا، شدید تنقید کی زد میں آئی۔ اس پیش رفت کے بعد بعض ایرانی اکاؤنٹس نے فوری ردِ عمل ظاہر کیا۔

تاجکستان میں ایران کے سفارت خانے کی جانب سے ایک ویڈیو جاری کی گئی جس میں اس تصویر کو متحرک انداز میں دکھایا گیا ہے۔ ویڈیو میں مسیح کو ٹرمپ کے پیچھے اترتے ہوئے اور پھر انھیں ضرب لگاتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ اس پوسٹ کو اب تک 2.24 ملین سے زائد بار دیکھا جاچکا ہے۔

اسی دوران امریکہ میں معاشی مسائل بھی ان پیغامات کا حصہ رہے، جہاں امریکی عوام کے لیے جاری بعض مواد میں ممکنہ جنگ کی قیمت کو اجاگر کیا گیا، جن میں خاص طور پر ایندھن کی قیمتوں میں اضافے جیسے خدشات پر توجہ مرکوز کی گئی۔

اس مہم میں اور کون شامل تھا؟

سرکاری چینلز کے علاوہ اس ڈیجیٹل سرگرمی میں بعض ایرانی شخصیات اور غیر سرکاری مواد تخلیق کرنے والے (کنٹینٹ کریئیٹرز) بھی نمایاں طور پر سامنے آئے۔

ایرانی پارلیمان کے سپیکر محمد باقر قالیباف ان اہم حکومتی شخصیات میں شامل تھے جنھوں نے انگریزی زبان میں پیغامات جاری کیے۔ ابتدا میں انھوں نے سخت لہجہ اپنایا اور 'میمز' کا سہارا لیا، تاہم بعد ازاں مذاکرات کے دوران اور ان کے بعد ان کا انداز نسبتاً زیادہ رسمی ہوگیا۔ واضح رہے کہ قالیباف جنگ کے دوران اہم فیصلہ سازوں میں شامل رہے اور بعد میں امریکہ کے ساتھ امن مذاکرات میں مرکزی مذاکرات کار کے طور پر سامنے آئے۔

اسی تناظر میں، لیگو طرز کی اینی میٹڈ ویڈیوز نے بھی ڈیجیٹل منظرنامے میں خاصی توجہ حاصل کی۔ یہ ویڈیوز پلیٹ فارم ایکس اور انسٹاگرام پر وسیع پیمانے پر وائرل ہوئیں، جن میں سادہ کہانی اور موسیقی کے ذریعے جنگ اور امریکہ مخالف پیغامات پیش کیے گئے۔ یہ ویڈیوز ایک کمپنی ایکسپلوسو میڈیا نے تیار کیں، جو خود کو ایک آزاد ادارہ قرار دیتی ہے تاہم اس کے مواد میں ایرانی بیانیے سے غیر معمولی مماثلت دکھائی دیتی ہے۔

یہ تمام مواد بظاہر خاص طور پر امریکی عوام کو مخاطب کرتا ہے، جس میں مصنوعی ذہانت سے تیار کی گئی ہپ ہاپ موسیقی اور براہِ راست، اشتعال انگیز پیغامات شامل ہیں۔ ان پیغامات میں ڈونلڈ ٹرمپ کو منفی انداز میں پیش کیا گیا، انھیں تشدد کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا، جبکہ امریکی حکومت پر بدعنوانی اور اسرائیل کے زیرِ اثر ہونے کے الزامات بھی عائد کیے گئے۔

اگرچہ امریکہ کے اندر اس ڈیجیٹل مہم کے اثرات کا درست اندازہ لگانا مشکل ہے، تاہم یہ واضح ہے کہ بعض مواقع پر یہ مہم انٹرنیٹ پر سب سے زیادہ نمایاں آوازوں میں سے ایک، یعنی ڈونلڈ ٹرمپ، کی توجہ کو چیلنج کرنے میں کامیاب رہی۔

ارشد پپو

لیاری گینگ وار کے اہم کردار کی جرم میں لپٹی زندگی اور تشدد سے بھری موت کی کہانی

جعفر رضوی (بی بی سی رپورٹ)

(پہلی قسط)

انتباہ: اس تحریر میں موجود تفصیلات چند قارئین کے لیے پریشان کن ہوسکتی ہیں۔

'کٹی ہوئی انگلیوں سے خون بڑی تیزی سے بہہ رہا تھا مگر اُس سے بھی زیادہ تیزی سے ارشد پپّو کی زبان سے گالیاں جاری تھیں۔ مرتے بلکہ قتل ہوتے وقت بھی وہ خوفزدہ ہرگز نہیں تھا۔ آپ اِس کو پپّو کی بے رحمی کہیں، بہادری مانیں یا جو چاہیں سمجھ لیں۔'

یہ الفاظ اُس سابق سرکاری افسر کے ہیں جو اپنا نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر مجھے لیاری گینگ وار کے سب سے بے رحم کرداروں میں سے ایک یعنی ارشد پپّو کی جرم میں لپٹی زندگی اور تشدد سے بھری ہوئی موت کی کہانی سنا رہے تھے۔

ارشد پپّو اور رحمٰن ڈکیت دونوں ہی اس خونی داستان کے سفاک کردار تھے جسے دنیا 'لیاری گینگ وار' کہتی ہے۔ رحمٰن ڈکیت اور ارشد پپّو دونوں تھے تو جانی دوست مگر اپنی اپنی موت سے پہلے ایک دوسرے کی جان کے دشمن بن چکے تھے۔

ارشد پپّو کو 13 سال قبل 17 مارچ 2013 کی شب اپنے بھائی اور ایک دوست کے ہمراہ ایک انتہائی مشتعل ہجوم میں شدید تشدد کے بعد قتل کر دیا گیا تھا لیکن ارشد پپو کون تھا اور کن حالات میں مارا گیا؟

یہ کہانی جاننے کے لیے لیاری کو جاننا ضروری ہے۔

ارشد پپو کو لیاری کی گلیوں میں ایک مشتعل ہجوم نے مار مار کر ہلاک کیا تھا

لیاری گینگ وار

شہری سہولتوں سے محروم، شدید غربت اور پسماندگی کا شکار یہ آبادی دراصل دو حصّوں پر مشتمل ہے۔ کراچی بندرگاہ سے جڑی مولوی تمیز الدین روڈ سے لے کر لیاری ندی (لیاری ریور) تک ایک حصّہ لیاری کہا جاتا ہے جبکہ ندی کی دوسری جانب جہان آباد، میوہ شاہ قبرستان، پرانا گولیمار، پاک کالونی اور شیر شاہ تک کا علاقہ 'ٹرانس لیاری' کہلاتا ہے۔

1950 اور 1960 کی دہائی میں لیاری ندی کے دونوں جانب کئی جرائم پیشہ گروہ علاقہ وار متحرک تھے جہاں ان کی علیحدہ علیحدہ 'سلطنتیں' قائم تھیں۔ جہان آباد سے پاک کالونی، میوہ شاہ، پرانا گولیمار اور شیر شاہ کباڑی بازار تک کے علاقوں پر حاجی لالو کا راج تھا جن کا اصلی نام تھا حاجی لعل محمد۔ ہماری کہانی کے مرکزی کردار ارشد پپّو نے 1972 میں حاجی لالو کے گھر میں ہی آنکھ کھولی۔

سینیئر صحافی اور جیو نیوز کراچی کے سابق بیورو چیف فہیم صدیقی کے مطابق

'پپّو، لالو کے سات بیٹوں میں سب سے زیادہ بے رحم تھا۔' وہ کہتے ہیں کہ 'انتہائی سفاک، جارح مزاج اور بے رحم، راہ چلتے لوگوں سے بلا وجہ کے جھگڑے۔ یہ سب پپّو کی روزمرّہ زندگی کا حصّہ تھا۔'

2006 میں ایس پی لیاری تعینات رہنے والے سابق پولیس افسر فیاض خان کا کہنا ہے کہ صرف لالو یا ٹرانس لیاری جرم میں اَٹے ہوئے نہیں تھے۔ 'ندی کے دوسرے کنارے پر کلاکوٹ کی افشانی گلی میں بھی کچھ اسی طرح کی بادشاہت داد محمد (دادل) کی بھی تھی۔'

یہ داد محمد (دادل) دراصل رحمٰن ڈکیت کے والد تھے۔

سرکاری حکام اور ریکارڈ کے مطابق سنہ 1976 میں پیدا ہونے والا (عبدالرحمٰن بلوچ یا) رحمٰن ڈکیت، کلاکوٹ کی افشانی گلی میں واقع اسلام روڈ پر علی ہوٹل کے قریب 'دادل ہاؤس' کا رہائشی تھا۔ وہ دادل کی دوسری زوجہ کے بطن سے تھا۔

رحمٰن ڈکیت کے والد دادل چار بھائی تھے جن میں شیر محمد (شیرو) بیک محمد (بیکل) اور تاج محمد بھی شامل تھے۔

حاجی لالو ہی کی طرح دادل اور شیرو بھی اپنا گروہ چلا رہے تھے۔ دادل کے بھائی تاج محمد کی حاجی لالو سے پرانی دوستی بھی تھی۔

لیاری کے جرائم پیشہ گھرانوں میں پیدا ہونے والے رحمٰن ڈکیت اور ارشد پپّو بھی کئی برس تک ایک دوسرے پر جان دینے والے دوست رہے۔ تو پھر ایسا کیا ہوا کہ جان دینے پر تیار دوست ایسے دشمن بنے کہ ایک دوسرے کی جان لینے پر ہی تُل گئے؟

ارشد پپّو کی کہانی کے اس سب سے بڑے سوال کا جواب دراصل خود ارشد پپّو کی یہ کہانی ہی ہے۔

بالکل فلمی انداز کی اصلی زندگی کی اس کہانی میں ایک ولن بھی تھا۔ نام تھا اقبال عرف استاد بابو ڈکیت۔

بابو ڈکیت کا مسلّح اور خطرناک گروہ کلری، چاکیواڑہ، کمہار واڑہ اور آس پاس کے محلّوں میں منشیات اور جرائم کے کاروبار سے منسلک تھا۔

1990 کی دہائی کے ابتدائی زمانے تک دھندے پر اجارہ داری کے لیے ان تمام گروہوں کے درمیان کھینچا تانی آہستہ آہستہ باقاعدہ و منظم جنگ میں ڈھل گئی اور ایک دن استاد بابو نے رحمٰن ڈکیت کے چچا تاج محمد کو قتل کر دیا۔

استاد بابو کی یہ پیشہ ورانہ دشمنی صرف رحمٰن ڈکیت کے خاندان تک محدود نہیں تھی۔ بابو کی رقابت و چپقلش ارشد پپو کے باپ لالو سے بھی تھی۔ تو جب استاد بابو کے ہاتھوں رحمٰن ڈکیت کے چچا تاج محمد کا قتل ہوا تو اس قتل کا بدلہ لینے اور رحمٰن کے خاندان کی مدد کے لیے لالو ڈھال بن کر سامنے آیا۔

لالو نے رحمٰن ڈکیت کو اپنے دائرۂ عافیت میں لے لیا۔ رحمٰن ڈکیت کے ایک قریبی رشتے دار (فرسٹ کزن) نے ایک ریکارڈڈ گفتگو میں مجھے بتایا کہ 'جب جھگڑوں (قتل کی وارداتوں) کے بعد ہمارے خاندان کے جرگے ہوتے تھے تو حاجی لالو بھی شریک ہوتا تھا۔ وہ ہمارے خاندان (کے بزرگوں) سے کہتا تھا۔۔۔ یہ لڑکا (رحمٰن ڈکیت) مجھے دے دو۔۔۔ یہ لڑکا مجھے دے دو۔ لالو کو رحمٰن میں بہت کچھ دکھائی دیتا تھا۔ لالو ایول جینیئس (شیطانی ذہانت سے بھرپور) تھا۔'

لیاری گینگ وار کے نچلے درجے کے ایک کردار نے بھی اپنی موت سے قبل کراچی جیل میں ہونے والی ایک ملاقات میں مجھے بتایا تھا کہ 'لالو نے رحمٰن ڈکیت کو بلا وجہ اپنی سرپرستی میں نہیں لیا تھا۔۔۔ لالو بہت آگے تک

دیکھتا تھا۔'

رحمٰن کے ایک بزرگ عزیز نے مجھے بتایا کہ فوجی آمر جنرل ضیاالحق کے زمانۂ اقتدار میں رحمٰن ڈکیت کے والد دادل کو 'منشیات و دیگر جرائم کے مقدمے میں جیل جانا پڑا اور جیل ہی میں دل کے عارضے سے دادل کی موت واقع ہوگئی۔'

یعنی کم عمری میں والد دنیا سے چلے گئے تھے اور پھر سرپرستی کرنے والے چچا کو قتل کر دیا استاد بابو نے۔ تو اب کم عمر اور اکیلے رحمٰن ڈکیت کے ساتھ باپ، چچا کے گنے چنے ساتھی ہی تھے جبکہ بابو بہت سے کارندوں کا خطرناک گروہ چلا رہا تھا۔ بابو کا مشترکہ خطرہ اور دھندے کے مفادات یکساں ہوئے تو ارشد پپّو کا باپ لالو اور پپو کا دوست رحمٰن ایک دوسرے کی 'ضرورت' بن گئے۔

لالو کی سرپرستی میں عادی جرائم پیشہ رحمٰن ڈکیت قتل و غارت کے اس راستے کا ایسا مسافر بنا جس نے کبھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ لالو ہی کی مدد سے رحمٰن نے آخرِ کار بابو ڈکیت اور اُس کے بیٹے کو بھی قتل کر کے اپنے چچا تاج محمد کے قتل کا بدلہ بھی لیا۔

پولیس اور خفیہ اداروں کی ایک مشترکہ تفتیش کے دوران رحمٰن نے تفتیش کاروں کو بتایا کہ اُس نے 5 جون 2004 کو ریکسر لین کی عثمانیہ مسجد کے قریب واقع مولا بخش بیکری کے عقب میں جاری شادی کی ایک تقریب میں بابو ڈکیت کے بیٹے نعیم کو قتل کر دیا اور محض 18 روز بعد یعنی 23 جون 2004 کو چمن شاہ پلاٹ عیدگاہ لین، کلاکوٹ کے قریب بابو ڈکیت کو بھی تب مار ڈالا جب وہ ایک رکشے میں عدالت جا رہا تھا۔

بابو کو رحمٰن کے بھائی شریف نے گولی ماری۔ اس حملے میں بابو ڈکیت، رکشہ ڈرائیور عبدالغنی اور بابو کا محافظ ساجد تینوں ہلاک ہوئے۔

یہ پہلا موقع نہیں تھا کہ لالو نے رحمٰن ڈکیت کی مدد کی ہو۔ رحمٰن پر لالو کی سرمایہ کاری کی ابتدا بہت پہلے ہی ہو چکی تھی۔

رحمٰن ڈکیت کے ایک کزن نے مجھے بتایا کہ جب سنہ 1993 میں راشد منہاس روڈ سے متصل کراچی کے مشرقی علاقے 'ڈالمیا' میں رحمٰن کے چچا زاد بھائی (یعنی شیر محمد شیرو کے بیٹے) فتح محمد بلوچ کا قتل ہوا تھا تو الزام لگا تھا لیاری کے علاقے سنگولین کے سلیمان بروہی کے بیٹے غفور پر۔

سلیمان بروہی دراصل (6 اگست 1990 سے 5 مارچ 1992 تک سندھ کے وزیرِاعلیٰ رہنے والے) جام صادق علی کے بزنس پارٹنر تھے۔

فتح محمد کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے جب رحمٰن کے خاندان کا ایک باقاعدہ جرگہ منعقد ہوا تو لالو وہاں بھی موجود تھا۔ رحمٰن کے ایک اور رشتے دار نے بھی ریکارڈڈ گفتگو میں مجھے بتایا کہ رحمٰن کا خاندان اس معاملے پر لالو کی مدد لینے پر راضی نہیں تھا' کیونکہ حاجی (لالو) ہمارے خاندان کا رکن نہیں تھا ناں۔۔۔ قتل تو ہمارے خاندان کے رکن کا ہوا تھا۔ تو بلوچ روایت کا تقاضا تھا کہ بدلہ بھی خاندان ہی کے لوگ لیں۔ خاندان سے باہر کے لوگوں سے بدلے کے لیے مدد لینا بلوچوں کی بہادری اور روایات دونوں کے خلاف تھا۔'

رحمٰن کے خاندانی ذرائع کے مطابق اس بدلے کے لیے بھی لالو نے رحمٰن کی بھرپور مدد کی اور رحمٰن نے سلیمان بروہی کو ناظم آباد کے علاقے میں ڈی سی سینٹرل آفس کے پاس قتل کر دیا۔ کزن نے کہا کہ 'لالو کی مدد ایسا احسان بن گئی جسے ہمارا (رحمٰن ڈکیت کا) خاندان ہمیشہ مانتا رہا اور رحمٰن ڈکیت سمیت خاندان کے کئی بزرگ بھی حاجی لالو کے ممنون و احسان مند رہے۔'

یہ وہ دور تھا جب سیاسی منظرنامے پر موجود ہر جماعت، گروہ اور تنظیم میں مسلح جتھوں کو غلبہ حاصل ہو رہا تھا۔ پیپلز پارٹی ہو یا (اُس وقت تک الطاف حسین کی قیادت میں متحد اور مہاجر قومی موومنٹ کہلانے والی) ایم کیو ایم، جماعت اسلامی ہو یا قوم پرست تنظیمیں، سب کے مسلح دھڑے اور عسکری بازو پوری طرح فعال اور سرگرم ہو چکے تھے۔

جب رحمٰن ڈکیت جرم کی زیرِ زمین دنیا (انڈر ورلڈ) میں لالو کا وارث سمجھا جانے لگا تب تک لالو کے اپنے بیٹے ارشد پپّو، عرفات اور دیگر بھی اور جرم و سزا اور قتل و غارت کے اس گھناؤنے کاروبار سے منسلک ہو چکے تھے۔

رحمٰن بھی لالو خاندان کے اتنا قریب ہو چکا تھا کہ اُسے بھی لالو کا بیٹا سمجھا جانے لگا۔ حتیٰ کہ لالو کے بیٹے عرفات اور رحمٰن دونوں کی شادی گولیمار کے ایک ہی گھرانے یعنی سیٹھ یوسف کی دو بیٹیوں سے ہوئی۔

یہ دوستی جب دوسری نسل میں منتقل ہوئی تو ارشد پپّو اور رحمٰن ڈکیت 'یک جان دو قالب' بن گئے۔ کوئی واردات ہو یا عیش و عشرت کی محفل پپّو اور رحمٰن ساتھ ساتھ ہی رہتے تھے۔

دونوں کے اس گٹھ جوڑ نے جرائم کو صنعت بنا کر رکھ دیا۔ شہر کے جنوب میں لیاری سے لے کر شمال مشرقی ضلع ملیر تک، شیر شاہ کے کباڑی بازار سے کلفٹن کی پوش (متمول) آبادی تک بھتہ خوری، چھینا جھپٹی، لوٹ مار، گاڑی یا موٹر سائیکل کی چوری اور اغوا کی وارداتیں عروج پر پہنچ گئیں۔

رحمٰن، لالو اور ارشد پپّو کا دھندہ بڑھا تو کام کی تقسیم ضروری ہوگئی۔ فہیم صدیقی کے مطابق تب لالو، ارشد پپو اور رحمٰن ڈکیت کے گینگ کی نئی اور جوان قیادت نے علاقے بانٹ لیے۔ ٹرانس لیاری ارشد پپّو کے حصّے میں آیا اور لیاری رحمٰن کے زیرِ نگیں ہوگیا مگر پیسے کی تقسیم برابر برابر کی بنیاد پر ہوئی۔

رحمٰن کے حصّے کا سارا پیسہ بھی حاجی لالو ہی کے پاس جمع ہوتا رہا۔ دونوں جانب سے رضامندی رہی کہ رحمٰن کو جب ضرورت ہوا اپنے حصّے کا پیسہ لے سکتا ہے مگر اب جرم کا دائرہ لیاری تک محدود نہیں رہا تھا۔ شہر کے دیگر علاقوں تک پھیلنے لگا۔ اور یہی سب سے بڑی غلطی ثابت ہوئی۔

سرکاری و سیاسی حلقوں سے میری پس پردہ گفتگو سے اندازہ ہوتا ہے کہ لیاری سے باہر نکل کر جب بھتہ خوری یا اغوا برائے تاوان جیسی وارداتوں کا معاملہ ایسے علاقوں تک پہنچا، جہاں سیاسی قوتیں 'سرگرم' تھیں تو جرم و سزا کے اس کھیل کے 'باقی کھلاڑیوں' کے 'مالی مفادات' پر بھی زبردست ضرب پڑنے لگی۔

سیاسی جماعتوں کے مسلح بازو کہیں ہفتہ بھتہ وصول کر رہے تھے تو کہیں جوا چل رہا تھا۔ جب رحمٰن اور پپّو کے 'گینگ' نے سیاسی قوتوں کے زیرِ اثر علاقوں تک اپنے پر پھیلائے تو خطرے کی گھنٹی صرف 'نظام' کے کانوں میں نہیں بجی، لالو اور اُس کے بیٹوں کے کانوں میں بھی بجنے لگی۔

لیاری کے باہر کا سیاسی موسم بھی بدل رہا تھا۔ نوے کی اس خونی دہائی میں جیسے جیسے بدامنی بڑھی، ویسے ویسے شہریوں اور تاجر برادری کی بے چینی میں اضافہ ہوا۔ خاص طور پر تاجروں کی جانب سے اغوا برائے تاوان کی بے انتہا اور منظم وارداتوں جیسی شکایات پر بالآخر 19 جون 1992 کو ریاست کی وہ کارروائی شروع ہوئی جسے 'کراچی آپریشن' کا نام دیا گیا۔

اس آپریشن کے مقاصد جو بھی رہے ہوں، مگر ایم کیو ایم نے شکایت کی کہ آپریشن کے نام پر صرف اردو بولنے والوں کی اکثریت رکھنے والے علاقوں میں ایم کیو ایم کے کارکنوں اور قیادت کو یکطرفہ کارروائی کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔

صحافی فہیم صدیقی کے مطابق شاید اسی شکایت کے ازالے اور آپریشن کو سیاسی بدنامی سے بچانے کے لیے وفاقی سطح پر فیصلہ ہوا کہ کراچی میں دیگر لسانی اکائیوں کے جرائم پیشہ افراد کے خلاف بھی کارروائی کی جائے۔

ایسی آبادیوں میں بھی آپریشن یا پولیس کارروائی کا فیصلہ ہوا جہاں صرف اردو بولنے والوں کی آبادی نہ ہو بلکہ بلوچ، سندھی اور پشتون بھی آباد ہوں تاکہ آپریشن کسی مخصوص کمیونٹی یا علاقے کے خلاف نہ لگے۔

جب آپریشن کا دائرہ عادی جرائم پیشہ عناصر اور گروہوں کے خلاف بڑھانا وزیرِاعظم بے نظیر بھٹو کی حکومت کی سیاسی مجبوری بن گئی تو بلوچ اکثریتی آبادی اور پیپلز پارٹی کے اپنے گڑھ لیاری میں بھی کارروائی ضروری ہوگئی۔ اور تب ہی 1995 کے ایک دن پولیس نے لالو کے بیٹے اور پپّو کے بھائی عرفات اور رحمٰن ڈکیت کو میوہ شاہ قبرستان کے پاس ایک پُل سے گرفتار کر لیا۔

اس وقت یہ افواہ بھی گردش میں تھی کہ رحمان اور عرفات کی گرفتاری پولیس اور لالو کے درمیان ڈیل کا نتیجہ تھی۔

(جاری ہے)

'ایک سال کی محنت اور فیس ضائع'

اے لیول کا ریاضی کا پرچہ 'لیک'

امتحانی نظام کی شفافیت پر سوال

کیمبرج پاکستان نے تصدیق کی ہے کہ ایڈوانس سبسڈیری میتھمیٹکس کا امتحانی پرچہ 'ہمارے قواعد کے خلاف وقت سے پہلے شیئر کیا گیا'۔

پاکستان کے انٹر بورڈ آف کوآرڈینیشن کمیشن (آئی بی سی سی) نے جمعرات کو اعلان کیا کہ وہ کیمبرج سے رپورٹ طلب کرے گا کیونکہ پرچے کے لیک ہونے کی اطلاعات کے بعد والدین اور طلبہ نے امتحانی نظام کی شفافیت پر سوالات اٹھائے ہیں۔ اگرچہ اس معاملے پر ادارے کی تحقیقات جاری ہیں تاہم اس معاملے پر شدید ردعمل سامنے آیا ہے۔

معاملہ آخر ہے کیا؟

اے لیول امتحانات کے پارٹ ون میں اے ایس ریاضی کا پرچہ لیک ہونے کی اطلاعات سب سے پہلے سوشل میڈیا پر سامنے آئیں جن میں دعویٰ کیا گیا کہ پرچے کی حل شدہ اور غیر حل شدہ نقلیں آن لائن موجود ہیں۔ بعض لوگوں نے یہ بھی کہا کہ یہ امتحان شروع ہونے سے صرف چند گھنٹے پہلے ہوا ہے۔ پاکستان کے مقامی ذرائع ابلاغ کی خبروں کے مطابق یہ پرچہ منگل کی رات گئے منظرِ عام پر آیا جبکہ دیگر کے مطابق امتحان سے کم از کم چھ گھنٹے پہلے ہی یہ گردش میں تھا۔

صارفین نے نشاندہی کی ہے کہ پرچہ سوشل میڈیا پلیٹ فارمز جیسے ریڈاِٹ اور واٹس ایپ کے ذریعے مزید پھیلا۔ سب سے پہلے پرچہ کہاں لیک ہوا، بی بی سی اس کی تصدیق کرنے سے قاصر ہے۔

بعض طلبہ نے یہ دعویٰ کیا کہ اسے آن لائن تقسیم کیے جانے سے پہلے انٹرنیٹ پر ہی فروخت کیا جا رہا تھا۔

سوشل میڈیا پر نہ صرف متاثرہ طلبہ اور اساتذہ بلکہ والدین بھی اس معاملے پر اپنی تشویش ظاہر کر رہے ہیں۔

'امتحان کی تیاری کے انگنت گھنٹے اور پورے سال کے دوران ٹیوشن فیس پر خرچ لاکھوں روپے ضائع ہو گئے۔'

اے لیول کے ریاضی کے امتحان سے کچھ گھنٹے قبل پرچہ مبینہ طور پر سوشل میڈیا پر اپ لوڈ کیے جانے کے معاملے نے پاکستان میں کئی طلبہ، اساتذہ اور والدین کو پریشان کیا ہے جو کچھ ایسے تبصرے کر رہے ہیں۔

ابراہیم جعفری نامی صارف نے کہا کہ 'اندازے کے مطابق پاکستان کے تقریباً 25 ہزار طلبہ نے اے لیولز میتھمیٹکس کے امتحان میں شرکت کے لیے برٹش کونسل کو لگ بھگ 50 ہزار روپے فی امیدوار ادا کیے۔۔۔ تیاری میں صرف کیے گئے لاتعداد گھنٹے اور ایک سال کے دوران ٹیوشن فیس کی مد میں ادا کی گئی لاکھوں روپے کی رقم سب ضائع ہو گئی۔'

انھوں نے مزید کہا کہ ماضی میں بھی ایسا ہو چکا ہے۔

فیضان نے کہا کہ کئی والدین اور طلبہ کو اس بارے میں اس وقت علم ہوا جب وہ 'اپنے امتحانی مراکز پہنچے۔ اس کے نتیجے میں امتحان کے روز والدین اور طلبہ دونوں کو شدید ذہنی دباؤ کا سامنا کرنا پڑا۔'

ایک والد نے ایکس پر لکھا ہے کہ 'میرے بیٹے کو اس صورتحال نے خاصا پریشان کر دیا ہے۔ یہ معاملہ تین برسوں سے چلا آ رہا ہے۔ آج اساتذہ نے طلبہ سے کہا کہ وہ کیمبرج میں شکایت درج کرائیں اور اپنے والدین سے بھی ایسا کرنے کو کہیں۔'

'یہ طلبہ کی اکثریت کے ساتھ نہایت ناانصافی ہے۔ اب یہ سن کر کہ امتحان منسوخ کر دیا گیا ہے، تشویش مزید بڑھ گئی ہے۔'

امبر نے تبصرہ کیا کہ اس پیپے 'ایک بچے کی ایک سال کی پوری محنت ضائع ہوئی ہے'۔ وہ کہتی ہیں کہ 'میتھمیٹکس کے کسی دوسرے ویرینٹ کی بنیاد پر گریڈ دینا یا امتحان دوبارہ ایک مزید مشکل پرچے کے ساتھ منعقد کرنا اُن طلبہ کے ساتھ ناانصافی ہے جنھوں نے بہتر نمبرز حاصل کرنے کے لیے محنت کی تھی۔'

کئی صارفین نے کیمبرج کو کڑی تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ جیسے ندیم تنولی نے لکھا کہ 'فیسیں تو برطانوی معیار کی لی جاتی ہیں لیکن سروس ڈیلیوری کسی تیسرے درجے کے ادارے سے بھی بدتر ہے۔'

کیمبرج پاکستان نے کیا کہا؟

کیمبرج پاکستان کی جانب سے جاری کردہ بیان میں کہا گیا ہے کہ 'ہم ایس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ کیمبرج انٹرنیشنل اے ایس لیول میتھمیٹکس کا امتحان 12 (9709) جو افریقہ، یورپ، مشرقِ وسطیٰ، پاکستان اور جنوبی ایشیا کے علاقوں میں لیا گیا، ہمارے ضوابط کے خلاف مقررہ وقت سے پہلے شیئر کیا گیا۔'

اس کا کہنا ہے کہ 'ہم اس نوعیت کے واقعات کی فوری اور مکمل تحقیقات کرتے ہیں اور اب ہم اس بات کو سمجھنے کے لیے کام کر رہے ہیں کہ یہ لیک کس حد تک پھیلی اور اس حوالے آئندہ کے لائحہ عمل کا تعین کیا جائے گا۔'

'ہماری ترجیح یہ ہے کہ طلبہ اس واقعے کے باعث کسی نقصان کا شکار نہ ہوں اور ہم اپنے امتحانات کی ساکھ کے تحفظ کے لیے ہر ممکن اقدامات جاری رکھے ہوئے ہیں۔'

ان کا کہنا ہے کہ امیدوار 'آئندہ امتحانات دینے کے لیے تیاری جاری رکھیں۔'

کیمبرج پاکستان کے مطابق اگلے اقدامات سے متعلق ہمارے فیصلے سینیئر اور تجربہ کار پیشہ ور افراد کرتے ہیں جن کے پاس تمام حقائق موجود ہوتے ہیں اور ہمارے اصول یہ ہیں: ان گریڈز کے اعتبار کو یقینی بنانا، جو ہم دیتے ہیں تاکہ جامعات اور گریڈز استعمال کرنے والے دیگر ادارے ان پر اعتماد برقرار رکھ سکیں۔ پرچہ چوری ہونے کے باعث طلبہ کو ہونے والی ذہنی کوفت اور خلل کو کم سے کم کرنا۔'

اس کا یہ بھی کہنا ہے کہ 'ہم اس طرح کے واقعات کے طلبہ پر اثرات کو نہایت سنجیدگی سے لیتے ہیں۔ ہمیں اس اعتماد کی قدر ہے جو ہم پر 160 ممالک میں ہر سال 20 لاکھ سے زائد امتحانات منصفانہ نتائج کے ساتھ منعقد کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔'

'امتحان کی ساکھ متاثر ہونا ایک نایاب امر ہے اور جہاں ہمیں بدعنوانی کے شواہد ملتے ہیں وہاں ہم امتحانی مراکز اور طلبہ کے خلاف مناسب کارروائی کرتے ہیں۔'

کیمبرج پاکستان کا کہنا ہے کہ اس حوالے سے مزید پیشرفت 7 مئی کو بتائی جائے گی۔

دنیا کے کسی بھی دوسرے خطے کے مقابلے میں خلیجِ فارس میں اتنا زیادہ تیل اور گیس کیوں موجود ہے؟

کہا جاتا ہے کہ خلیجِ فارس کے ممالک اپنی وسیع تیل اور گیس کی دولت کی وجہ سے ایک طرح سے نعمت بھی ہیں اور آزمائش بھی۔

لاکھوں برسوں پر محیط ارضیاتی عمل نے اس خطے کو عالمی توانائی کا مرکز بنا دیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ موجودہ جنگ جیسے کسی بھی بڑے تنازعے کے آغاز پر دنیا بھر میں توانائی کا بحران پیدا ہو جاتا ہے۔

بطور پٹرولیم جیولوجسٹ، جس نے اس خطے کا مطالعہ کیا ہے، میں آج بھی اس کے ہائیڈروکاربن ذخائر کی وسعت دیکھ کر حیران رہ جاتا ہوں۔

مثال کے طور پر خلیجِ فارس کے اردگرد 30 سے زائد ایسے تیل سے مالا مال علاقے موجود ہیں جنھیں 'سپر جائنٹ' کہا جاتا ہے اور ہر ایک میں کم از کم پانچ ارب بیرل خام تیل پایا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ اس خطے کے کنویں روزانہ اتنا تیل پیدا کرتے ہیں، جو شمالی سمندر یا روس کے بہترین کنوؤں کی پیداوار سے دو سے پانچ گنا زیادہ ہے۔

جدید ارضیاتی سائنس نے چٹانوں میں کئی ایسے عوامل کی نشاندہی کی ہے جو کسی خطے کو تیل سے مالا مال بناتے ہیں، جن میں ہائیڈروکاربن پیدا کرنے اور انھیں محفوظ رکھنے کی صلاحیت شامل ہے۔

خلیجِ فارس کے خطے میں یہ تمام عوامل اپنی بہترین یا قریب ترین مثالی سطح پر موجود ہیں۔ اپنی بے پناہ دولت اور آسان پیداوار کی وجہ سے خلیجِ فارس کا خطہ عملاً بہت آگے ہے، جس کا دور دور تک کوئی مقابل نہیں ہے۔

ایک مختصر تاریخ

انسانوں کو اس خطے میں ہائیڈروکاربن کی موجودگی کا علم اُس وقت سے تھا جب آخری برفانی دور کے اختتام پر، تقریباً 14 ہزار سے چھ ہزار سال قبل، سیلابوں نے خلیجِ فارس کی تشکیل کی۔

خطے کے کئی حصوں میں دریاؤں اور وادیوں کے ساتھ خام تیل اور گیس کے قدرتی رساؤ عام پائے جاتے ہیں۔

ہزاروں سال قبل، مسیحی دور کے آغاز سے بھی پہلے، لوگ بٹومین، جو بھاری پٹرولیم کی ایک قسم ہے، کو گارا بنانے اور کشتیوں کو واٹر پروف کرنے کے لیے استعمال کرتے تھے۔

جدید دور میں تیل کی پہلی دریافت 1908 میں مغربی ایران میں ایک معروف قدرتی رساؤ کے مقام پر ہوئی۔

1950 اور 1960 کی دہائیوں میں، جب تیل اور گیس کی تلاش میں تیزی آئی، یہ بات واضح ہو گئی کہ دنیا کے کسی اور خطے میں اس قدر وافر ذخائر موجود نہیں۔

دنیا کے دیگر خطوں میں بھی تیل اور گیس کے بڑے ذخائر دریافت ہوئے ہیں، جیسے روس کے مغربی سائبیریا میں، اور حالیہ برسوں میں امریکہ کے پرمین بیسن میں۔

تاہم ان میں سے کوئی بھی خلیجِ فارس کے ذخائر کے حجم کا مقابلہ نہیں کر سکتا، نہ ہی اس خطے میں خام تیل اور گیس کی اُس بلند شرحِ پیداوار کا جو اسے منفرد بناتی ہے۔

ارضیاتی محلِ وقوع

خلیجِ فارس کا خطہ اُس مقام پر واقع ہے جہاں دو بڑی ٹیکٹونک پلیٹیں آپس میں ٹکراتی ہیں: جنوب مشرق میں عربین پلیٹ اور مشرق و شمال میں یوریشین پلیٹ۔ یہ تصادم تقریباً تین کروڑ 50 لاکھ برس سے جاری ہے اور اس کے نتیجے میں ایک ایسا متحرک جغرافیائی ماحول پیدا ہوا ہے جہاں چٹانوں کی تہیں مڑ گئیں، ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوئیں اور گہرے حصوں میں شدید حرارت اور دباؤ کے باعث تبدیل ہو گئیں۔

خلیج کے دونوں اطراف کی ارضیاتی ساخت میں نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔ ایرانی جانب زاگرس پہاڑی سلسلہ 800,1 کلومیٹر (100,1 میل) تک پھیلا ہوا ہے، جو خلیجِ عمان سے ترکی کی سرحد تک جاتا ہے۔

عظیم الپائن ہمالیائی نظام کا حصہ ہونے کے ناطے، زاگرس پہاڑی سلسلہ انتہائی مڑی ہوئی اور شکستہ چٹانوں پر مشتمل ہے، جو گذشتہ چھ کروڑ برس میں افریقہ، عرب اور بھارت کی یوریشیا سے ٹکراؤ کے نتیجے میں تشکیل پائی ہیں۔

خلیج کے عربی ساحل پر چٹانوں میں اس طرح کی تبدیلی اور ٹوٹ پھوٹ واقع نہیں ہوئی۔

اس کے برعکس پلیٹوں کے تصادم سے پیدا ہونے والی دباؤ کی قوتوں نے گہرائی میں موجود سخت اور ٹھوس چٹانوں کے پلیٹ فارم، جسے بیسمنٹ راک کہا جاتا ہے، کو مسخ کر کے وسیع، گنبد نما ڈھانچے تشکیل دیے، جو درجنوں بلکہ سیکڑوں مربع کلومیٹر تک پھیلے ہوئے ہیں۔

خلیجِ فارس کے نیچے ایک ایسا حوض (بیسن) موجود ہے جو زاگرس پہاڑوں کے اُبھار کے نتیجے میں کٹاؤ سے بننے والی تلچھٹ سے بھر گیا ہے۔ اس حوض کے گہرے حصوں میں وہ بلند درجہ حرارت اور دباؤ موجود تھا جو تیل اور گیس کی تشکیل کے لیے ضروری ہوتا ہے۔

مختصراً یہ خطہ بڑے پیمانے پر ہائیڈروکاربن کی پیداوار اور ذخیرہ اندوزی کے لیے ایک نہایت موزوں ارضیاتی ماحول رکھتا ہے۔

خام تیل پیدا کرنے والی چٹانیں

خام تیل اور گیس سمندری جانداروں، جیسے زوپلانکٹن اور فائٹوپلانکٹن، کے نامیاتی مادّے سے بنتے ہیں۔ یہ مادّہ ابتدا میں مٹی سے بھرپور چونے کے پتھر اور دیگر ایسی چٹانوں میں مرتکز ہوتا ہے جو بلند درجہ حرارت اور دباؤ کا سامنا کرتی ہیں۔

جب کسی چٹان میں نامیاتی مادّہ کم از کم دو فیصد ہو تو اسے تیل اور گیس کی پیداوار کے لیے اعلیٰ معیار کا سورس راک سمجھا جاتا ہے۔

خلیج فارس کے خطے میں ایسے سورس راکس کی تہیں خاص طور پر زیادہ تعداد میں موجود ہیں، جن میں سے بعض نہایت موٹی، وافر مقدار میں پائی جانے والی اور نامیاتی مادّے سے بھرپور ہیں۔

اس کی مثالیں عربی خلیج کے ساحل پر واقع حنیفہ اور طویق کی ارضیاتی تشکیلیں ہیں، جو جیوراسک دور میں وجود میں آئیں، یعنی تقریباً 20 کروڑ سے 14 کروڑ 50 لاکھ سال قبل۔ اسی طرح ایران میں کژدومی کی تشکیل کریٹیشس دور میں بنی، جو تقریباً 14 کروڑ 50 لاکھ سے چھ کروڑ 60 لاکھ سال پہلے کا زمانہ ہے۔

ان چٹانوں میں نامیاتی مادّے کی مقدار ایک فیصد سے 13 فیصد تک ہوتی ہے، اور بعض مقامات پر اس سے بھی زیادہ پائی جاتی ہے۔

تیل اور گیس کے ذخائر کی ساخت

خطے کی مڑی ہوئی اور شکستہ چٹانوں کی تہیں اور اس کے گنبد نما ڈھانچے ہائیڈروکاربن کو پھانسنے اور محفوظ رکھنے کے لیے نہایت موزوں ہیں۔

زاگرس کے یہ مڑاؤ، جو اپنی دلکش شکلوں کی وجہ سے ماہرینِ ارضیات میں شہرت رکھتے ہیں اور سیٹلائٹ تصاویر میں واضح دکھائی دیتے ہیں، سینکڑوں ارب بیرل تیل اور کھربوں مکعب میٹر گیس اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔

خلیج فارس کے تیل اور گیس کے نقشے پر ایک نظر ڈالنے سے فوراً واضح ہو جاتا ہے کہ شمال مغرب سے جنوب مشرق کی سمت لمبوتری، سانپ نما ساختیں موجود ہیں، جو بڑے مڑے ہوئے ڈھانچوں کی عکاسی کرتی ہیں۔

ان ساختوں میں مختلف سائز کے سینکڑوں ذخائر شامل ہیں، جو جنوبی ایران سے شمال مشرقی عراق تک پھیلے ہوئے ہیں۔

عربین پلیٹ پر گنبد نما بڑے ڈھانچوں نے تیل اور گیس کے بے حد وسیع ذخائر تشکیل دیے ہیں۔ ان میں سعودی عرب کا غوار آئل فیلڈ بھی شامل ہے، جو دنیا کا سب سے بڑا تیل کا میدان ہے اور جس سے 70 ارب بیرل سے زیادہ خام تیل پیدا کیا جا سکتا ہے۔

اسی طرح ساؤتھ پارس※ نارتھ ڈوم قدرتی گیس کا میدان کم از کم 46 ارب مکعب میٹر گیس پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، جو توانائی کے اعتبار سے 200 ارب بیرل سے زیادہ تیل کے برابر ہے۔

سب سے اہم ذخیرہ چٹانیں چونے کے پتھر ہیں، جن کے بعض حصے جزوی طور پر تحلیل ہو چکے ہیں اور یہی عمل تیل اور گیس کے بہاؤ کو آسان بناتا ہے۔

زاگرس کے ذخائر میں سیال مادّہ (تیل اور گیس) اُن دراڑوں اور شگافوں کے ذریعے حرکت کرتا ہے جو پلیٹوں کے تصادم سے پیدا ہونے والے مڑاؤ اور فالٹوں کے نتیجے میں وجود میں آئے۔

سعودی عرب کے غوار فیلڈ میں عرب-ڈی ذخیرہ اور زاگرس کے کئی میدانوں میں ساری چونا پتھر ایسی اعلیٰ معیار کی ذخیرہ چٹانوں کی مثالیں ہیں جو وسیع علاقوں، سینکڑوں بلکہ ہزاروں مربع کلومیٹر، پر پھیلی ہوئی ہیں۔

زمین پر یا سمندر میں کہیں بھی اس پیمانے کی ارضیاتی ساختیں موجود نہیں، جو خلیج فارس کے خطے کی منفرد اور بے مثال پٹرولیم جیولوجی کو واضح کرتی ہیں۔

مستقبل کے امکانات

ان تمام عوامل کے مجموعی اثر کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیا کے روایتی تیل کے تقریباً نصف ذخائر اور گیس کے 40 فیصد ذخائر زمین کی صرف تین فیصد سطح کے نیچے موجود ہیں۔

امریکی جیولوجیکل سروے کی جائزہ رپورٹس کے مطابق ایک صدی سے زیادہ عرصے تک کھدائی اور پیداوار کے باوجود، خلیج فارس کے خطے میں اب بھی تیل اور گیس کے بڑے ذخائر دریافت ہونے باقی ہیں۔

سنہ 2012 کی ایک رپورٹ میں، جس میں عرب جزیرہ نما اور زاگرس پہاڑی سلسلے کا مطالعہ کیا گیا تھا، امریکی جیولوجیکل سروے نے اندازہ لگایا کہ پہلے سے دریافت شدہ مقدار کے علاوہ چٹانوں میں مزید 86 ارب بیرل تیل اور 5.9 کھرب مکعب میٹر گیس موجود ہو سکتی ہے۔

مزید یہ کہ 2000 اور 2010 کی دہائیوں میں امریکہ میں ترقی پانے والی افقی ڈرلنگ اور فریکچرنگ جیسی تکنیکوں کے ذریعے بھی زیادہ تیل اور گیس پیدا کی جا سکتی ہے۔

سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات اپنے تیل کے میدانوں میں ان طریقوں کو آزما رہے ہیں۔ ابھی یہ کہنا قبل از وقت ہے کہ یہ طریقے کتنے کامیاب ہوں گے، لیکن مطالعات سے اشارہ ملتا ہے کہ ان کے ذریعے پیداوار میں مزید اضافہ ممکن ہے۔

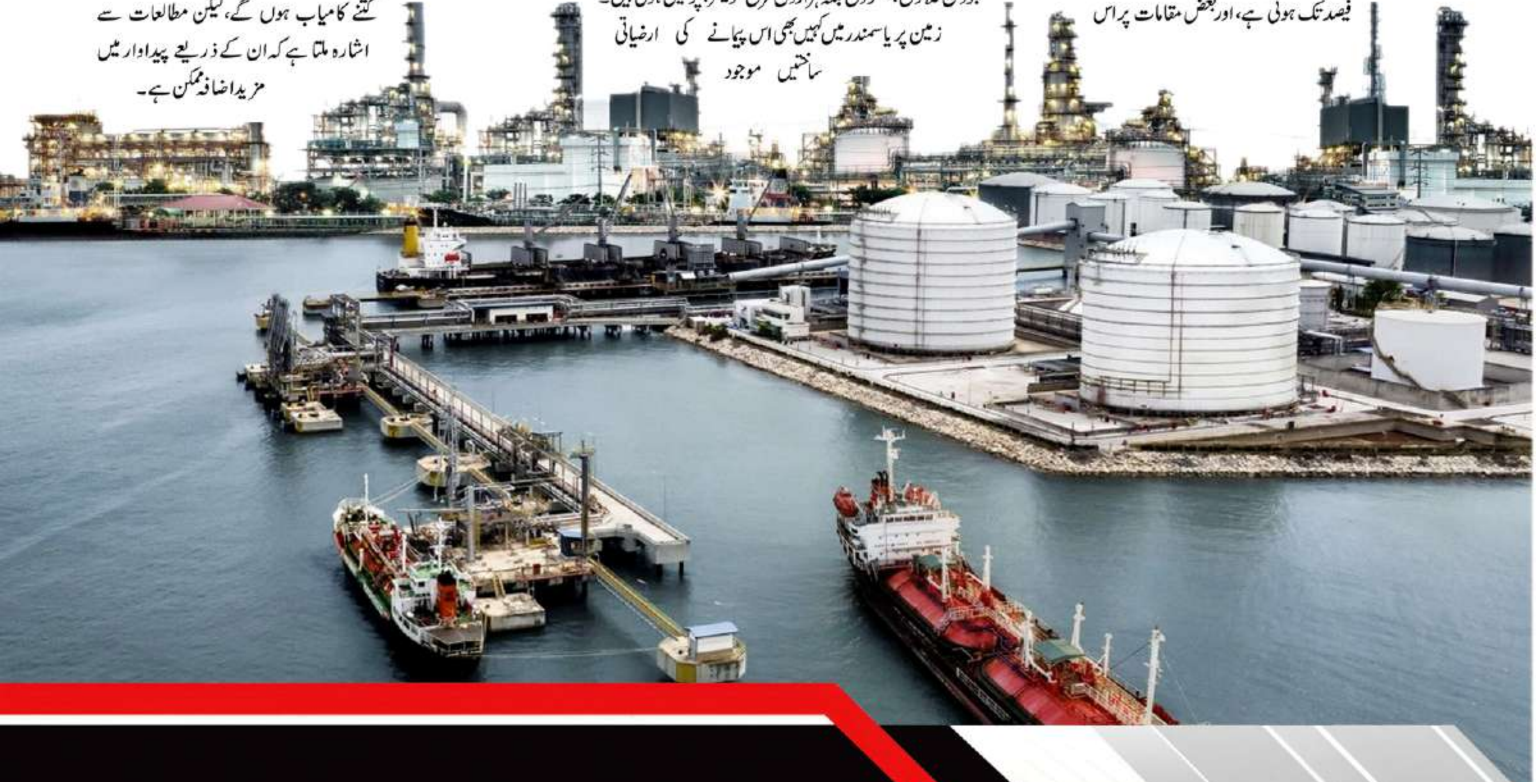

رپورٹ: راؤ محمد جمیل

سندھ پولیس کا احتساب آپریشن ناکام

ایس ایس پی اور ڈی آئی جی کے چہیتے افسران دودھ سے دھل گئے، محنتی سپاہی بی کمپنی کے حوالے
کروڑوں روپے کی ماہانہ وصولی کرنے والے بڑے افسران کی 'اجلی وردی' پر احتساب کا داغ نہ لگ سکا

شہر قائد سمیت سندھ بھر میں پولیس کو مختلف جرائم سے پاک کرنے اور مورال کی بلندی کیلئے ایک بار پھر شروع کیے گئے مبینہ احتسابی عمل کے دوران ایس ایچ اوز سمیت درجنوں پولیس افسران کو برطرفی، معطلی اور گارڈن ہیڈ کواٹر B کمپنی بھیجے جانے کے بعد مزید 10 پولیس افسران اور اہلکاروں کو گارڈن ہیڈ کواٹر روانہ کر دیا گیا سائیں سرکار اور اعلیٰ فرشتہ صفت پولیس افسران کی جانب کڑے احتساب کے نام پر تمام جرائم، امن وامان کے قیام میں ناکامی اور نظام انصاف کی تباہی کا مکمل ذمہ دار صرف ایس ایچ اوز سمیت چھوٹے پولیس افسران اور کانسٹیبل سمیت دیگر اہلکاروں کو قرار دیکر سخت اقدامات کی سُولی پر چڑھانا ظلم اور سخت ناانصافی قرار دی جا رہی ہے کسی ایس ایچ او، چھوٹے پولیس افسر یا اہلکار کی جانب سے SSP، ڈی آئی جی یا کسی اعلیٰ پولیس افسر کی پشت پناہی یا سہولت کاری کے بغیر کسی بھی قسم کا چھوٹا یا بڑا آرگنائز کرائم چلوانا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن بتایا جاتا ہے تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی احتسابی عمل شروع کیا گیا صرف چھوٹے پولیس افسران اور اہلکاروں کو ہی نشان عبرت بنایا گیا جبکہ چھوٹے افسران پر دباؤ ڈال کر کروڑوں روپے ماہانہ '' وصولیاں '' کرنے والے اعلیٰ پولیس افسر نیک نام اور با کردار ٹھہرے پولیس ذرائع کے مطابق 45 سے 50 ہزار ماہوار تنخواہ پر گرمی، سردی اور سنگین حالات میں ڈیوٹی سرانجام دینے والے پولیس کانسٹیبل کن حالات میں اپنے اہل خانہ کے ہمراہ کیسی المناک زندگی گزار رہے ہیں یہ مختلف تھانوں کا بجٹ تک کھا جانے والے سدا با کردار اور دبنگ قرار دئے جانے والے اعلیٰ پولیس افسران سے ارباب اقتدار کی تا حال پوچھنے کی ہمت تک نہ ہوئی اطلاعات کے مطابق ماضی کی روایت برقرار رکھتے ہوئے ایک بار پھر سندھ پولیس میں احتسابی عمل کا آغاز کیا گیا اس دوران درجنوں ایس ایچ اوز اور پولیس اہلکاروں کو دوبارہ تشکیل دی گئی B کمپنی گارڈن ہیڈ کواٹر بھیج دیا گیا جبکہ گذشتہ روز بھی ڈی آئی جی اسٹیبلشمنٹ پرویز احمد چانڈیو نے ایس ایچ اوز سمیت 10 پولیس افسران اور اہلکاروں کو بی کمپنی روانہ کرنے کا پروانہ جاری کر دیا جن میں ٹنڈو اللہ یار کے SHO انسپکٹر الن عباسی، انسپکٹر محبوب عالم، SHO گھارو انسپکٹر محمد شہزاد الیاس، سی آئی اے لاڑکانہ کے انچارج ارشد محبوب، سابق SHO سکھن اور ضلع ملیر کے ڈی آئی بی انچارج سید عدیل شاہ کے علاوہ اے ایس آئی صمد امام، محمد بخش، سکندر پہنور، عبدالرحیم اور پولیس اہلکار خلیل احمد شامل ہیں دوسری جانب کڑے احتساب کا دائرہ قلیل تنخواہیں لینے والے ایس ایچ اوز، چھوٹے پولیس افسران اور اہلکاروں تک ہی محدود رکھنا اور کروڑوں روپے ماہانہ '' وصولیاں '' اور مبینہ طور پر سنگین جرائم میں ملوث اعلیٰ پولیس افسران کو فرشتہ اور دودھ کے دھلے قرار دیکر بے رحم احساب سے محفوظ رکھنا انصاف نہیں سنگین مذاق ہے اطلاعات کے مطابق ایک پولیس کانسٹیبل کی ماہانہ تنخواہ 45 سے 50 ہزار بتائی جاتی ہے کم و بیش ایک ہزار روپے کا یومیہ صرف موٹر سائیکل میں پیٹرول ڈال کر گھر سے تھانے آنے جانے اور 12 گھنٹے سخت سردی، گرمی اور سنگین ترین حالات میں زندگی داؤ پر لگا کر پیشہ وارانہ خدمات سرانجام دینے والے پولیس اہلکاروں کے بدترین حالات اور مسائل کیلئے ارباب اقتدار اور اعلیٰ افسران کب کردار ادا کرینگے یہ ایک اہم اور بنیادی سوال ہے 15 سے 20 ہزار میں ایک سپاہی گھر کا کرائے دے بجلی گیس کا بل ادا کرے، بچوں کو تعلیم دے یا انکے لئے اشیاء خرد ونوش کا انتظام کرے...؟ پولیس ذرائع کے مطابق ایسے بدترین حالات میں ڈیوٹی سرانجام دینے والے اور فیلڈ میں کام کرنے والے چھوٹے پولیس افسران اور اہلکاروں کو احتساب کی بے رحم بھٹی میں ڈالنا اور اُجلی وردی میں لگژری گاڑیوں میں سفر کرنے اور اے سی رومز میں بیٹھے حکم شاہی جاری کرنے والے اعلیٰ افسران کو احتسابی عمل سے بری الذمہ قرار دینا احتساب اور انصاف کو پاؤں تلے روندنے کے مترادف ہے ارباب اقتدار کو پہلے ایس ایچ اوز اور پولیس اہلکاروں کی تنخواہوں پر نظر ثانی کی ضرورت اور انکے بنیادی مسائل کے حل کیلئے کردار ادا کرنا انتہائی اہم ہے ذرائع کا کہنا ہے کہ اگر شناخت ظاہر نہ کرنے اور انتقامی عمل سے محفوظ رکھنے کی شرط پر احتساب کا نشانہ بننے والے ایس ایچ اوز اور اہلکاروں سے کوئی محب وطن ادارہ یا قانون نافذ کرنے والے ادارے کی اچھی شہرت کے حامل افسران کی ٹیم تحقیقات کرے تو کئی فرشتہ صفت دبنگ اعلیٰ پولیس افسران اور بعض سرکردہ سیاسی پنڈت بھی سلاخوں کے پیچھے ہونگے جنہوں نے دباؤ ڈال کر ایس ایچ اوز اور دیگر پولیس اہلکاروں سے اپنے مفادات کیلئے ذاتی خدمات اور آسائشیں حاصل کی اور احتسابی عمل کے دوران منصف بن بیٹھے...

مریدکے، بہاولپور اور مظفرآباد میں انڈین میزائل حملوں کا نشانہ بننے والے مقامات پر بی بی سی نے کیا دیکھا؟

آج سے ٹھیک ایک سال قبل، یعنی چھ اور سات مئی 2025 کی درمیانی شب، انڈیا نے 'پہلگام میں 26 سیاحوں کی ہلاکت کے ذمہ داران کے خلاف' کارروائی کا آغاز کرنے کا دعویٰ کرتے ہوئے پاکستان اور اُس کے زیرِ انتظام کشمیر میں متعدد مقامات پر میزائل حملے کیے۔

انڈیا نے 'دہشتگردوں کے انفراسٹرکچر' کو نشانہ بنانے کا دعویٰ کرتے ہوئے الزام عائد کیا تھا کہ 'یہ وہ مقامات ہیں جہاں سے انڈیا کے خلاف دہشت گردانہ حملوں کی منصوبہ بندی اور ہدایت کی گئی تھی۔'

انڈیا نے مزید دعویٰ کیا کہ اس کارروائی کے دوران مجموعی طور پر نو مقامات کو نشانہ بنایا گیا۔ تاہم اِن دعوؤں کی تردید کرتے ہوئے پاکستان کی جانب سے سرکاری طور پر بتایا گیا تھا کہ ملک میں چھ مقامات پر مساجد اور سویلین انفراسٹرکچر کو نشانہ بنایا گیا اور اس کارروائی میں مجموعی طور پر 40 عام شہری، بشمول بچے اور خواتین، ہلاک ہوئے۔

انڈیا نے مزید دعویٰ کیا تھا کہ اِن حملوں میں عام شہریوں یا فوجی تنصیبات کو نشانہ نہیں بنایا گیا۔ مگر اِن دعوؤں کی تردید کرتے ہوئے پاکستانی فوج کے ترجمان لیفٹیننٹ جنرل احمد شریف چوہدری کا کہنا تھا کہ انڈیا نے مساجد اور سویلین انفراسٹرکچر کو نشانہ بنایا۔

ان انڈین حملوں کے دوران پاکستان میں صوبہ پنجاب کے اندرونی شہروں، مریدکے اور بہاولپور، پر ہوئے حملوں نے خاص توجہ حاصل کی تھی کیونکہ پاکستانی پنجاب کے اتنے اندر آخری بار حملے 1971 کی پاکستان، انڈیا جنگ کے دوران کیے گئے تھے۔

انڈین حکام نے بہاولپور میں مرکز سبحان اللہ کو ہدف بنانے کا دعویٰ کرتے ہوئے الزام عائد کیا تھا کہ یہ کالعدم تنظیم جیش محمد کا ایسا مرکز ہے جہاں شدت پسندوں کی بھرتی، عسکری اور نظریاتی تربیت کی جاتی تھی، اسی طرح انڈین حکام کی جانب سے مریدکے حملے کے بارے میں دعویٰ کیا گیا کہ ان حملوں کا ہدف کالعدم لشکرِ طیبہ کا ہیڈکوارٹر مرکزِ طیبہ تھا۔

تاہم بی بی سی اُردو کو دیے گئے ایک انٹرویو میں پاکستانی فوج کے ترجمان لیفٹیننٹ جنرل احمد شریف چودھری نے ان الزامات کو 'جھوٹے بیانیے کی بنیاد پر آگ سے کھیلنے' کے مترادف قرار دیتے ہوئے دعویٰ کیا تھا کہ 'انڈیا نے بہاولپور، مریدکے اور مظفرآباد میں جن جگہوں کو نشانہ بنایا، وہ تمام مساجد تھیں۔ میڈیا کو اگلے دن ان جگہوں پر لے جایا گیا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ رات کو وہاں دہشتگرد اور اُن کے کیمپس موجود ہوں، اور چند گھنٹوں میں، سینکڑوں لوگوں کے بیچ، تمام نشانات مٹا دیے جائیں؟'

ایک سال قبل جیسے ہی انڈیا کی جانب سے پاکستان میں کئی مقامات کو نشانہ بنانے کی خبر ملی، تو اُس کے چند ہی گھنٹوں بعد بی بی سی اُردو کی ٹیمیں مریدکے، بہاولپور اور مظفرآباد میں متاثرہ مقامات پر موجود تھیں۔ اور اب اس تنازع کا ایک سال مکمل ہونے پر بی بی سی نے دوبارہ انھی مقامات کا دورہ کیا ہے۔

ایک سال قبل چھ اور سات مئی کی درمیانی شب جب انڈیا کی طرف سے پاکستان میں کئی مقامات کو نشانہ بنانے کی خبر ملی تو اس کے کچھ ہی دیر بعد بی بی سی اُردو کی ٹیم اِن حملوں سے متاثرہ ایک ایسے مقام کی طرف محوِ سفر تھی جو لاہور سے قریب ترین تھا۔

یہ مقام لاہور سے لگ بھگ 45 منٹ کی مسافت پر مریدکے شہر میں واقع ہے۔ ماضی میں یہ مقام جماعت الدعوۃ اور اس کی ذیلی تنظیموں کی فلاحی سرگرمیوں کا مرکز تھا جس کے لیے ایجوکیشن کمپلیکس اور صحت کے مراکز بنائے گئے تھے تاہم پاکستانی حکام کے مطابق جماعت الدعوہ اور اس سے منسلک تنظیموں اور اداروں پر پابندی عائد ہونے کے بعد مقامی حکام نے اس جگہ کا انتظام سنبھال کر اسے عوام کے لیے سہولیات پہنچانے کے مرکز کے طور پر استعمال کرنا شروع کر دیا تھا اور اب یہاں 'پبلک ہیلتھ اینڈ ایجوکیشن کمپلیکس' واقع ہے۔

اس مقام کی طرف جاتے ہوئے ذہن میں اس مرکز سے متعلق تخیلاتی خاکہ بھی تھا اور کئی سوالات بھی، جیسا کہ کئی ایکڑ پر محیط اتنے بڑے سینٹر کے اندر کیا ہے اور انڈیا نے اِس ہی مقام کو بطور ہدف کیوں انتخاب کیا؟

وہاں پہنچنے سے قبل ہمیں مقامی حکام سے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ اس مرکز کے اندر بنی جامع مسجد کو نشانہ بنایا گیا ہے۔ یہ مرکز مریدکے شہر سے ذرا ہٹ کے ایک زرعی علاقے میں قائم ہے جس کے تین اطراف گاوں کی آبادی ہے اور ایک طرف زرعی رقبہ۔

ایک سال قبل جب ہم وہاں پہنچے تو دن کی روشنی ہو چکی تھی۔ سینٹر کو پولیس اور رینجرز کی بھاری نفری نے گھیرے میں لے رکھا تھا جبکہ مقامی اور غیرملکی میڈیا کی ایک بڑی تعداد مرکز کے بیرونی دروازے کے باہر موجود تھی۔ رہائشی علاقوں میں بظاہر زندگی معمول کے مطابق رواں دواں تھی۔

یہاں تک کہ مرکز کے بالکل سامنے واقع دودھ دہی کی دکانیں اور ایک دو ریستوران بھی کھلے ہوئے تھے جہاں لوگ ناشتہ کرنے لیے جمع تھے۔

ہم نے اس مرکز کے اندر جانے کی کوشش کی تاہم پولیس نے ہمیں اندر جانے سے روک رکھا تھا۔ مرکز کے مرکزی گیٹ پر بورڈ لگا ہوا تھا کہ یہ 'پبلک ہیلتھ اور ایجوکیشنل کمپلیکس' ہے۔

یہ ایک وسیع و عریض کمپلیکس تھا جس کے چاروں اطراف خاردار تاریں لگائی گئی تھیں اور اس کے کئی گیٹ ہیں۔ مرکزی گیٹ کے ایک جانب اندر جانے والی سڑک سے خاردار تاروں کے دوسری طرف چند فرلانگ کے فاصلے پر موجود وہ مسجد نظر آ رہی تھی جس کو انڈین میزائلوں نے نشانہ بنایا تھا۔

مسجد کا سامنے کا وہ حصہ بری طرح متاثر تھا جہاں موقع پر موجود افراد کے مطابق میزائل لگے تھے۔ وہاں ریسکیو کے اہلکار امدادی سرگرمیوں میں مصروف تھے اور پولیس کی نفری بھی موجود تھی۔ ہم مرکز کے باہر اسی مقام ہی سے مشاہدہ کر کے اور مقامی لوگوں سے بات چیت کر کے رپورٹ کر سکتے تھے۔ اندر جانے کی اجازت نہیں تھی۔

اور اب ایک برس آگے چلتے ہیں۔

انڈیا، پاکستان کی چار روزہ جنگ کا ایک سال مکمل ہونے پر ہم ایک مرتبہ پھر مرید کے میں واقع اس مرکز کا سفر کیا ہے۔ اب مرکز کے باہر منظر کچھ مختلف ہے۔

اب وہاں مسجد موجود نہیں ہے۔ اس کا خالی پلاٹ اور پلاٹ کے ارد گرد کچھ ملبہ پڑا نظر آ رہا ہے۔ میزائل حملوں میں متاثر ہونے والی مسجد کو مکمل طور پر منہدم کر دیا گیا۔ جہاں یہ مسجد موجود تھی اس کے سامنے ایک وسیع و عریض گراؤنڈ ہے۔

یہاں سے وہ رہائشی پلاٹ بھی نظر آ رہا ہے جس پر موجود عمارت کو بھی ایک میزائل نے نشانہ بنایا تھا۔ وہاں بھی ملبہ ابھی تک موجود ہے۔

اگر آپ یہاں کسی مقام پر رُک کر تصویر لینے یا ریکارڈنگ کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو سادہ لباس میں ملبوس مسلح افراد فوراً پہنچ جاتے ہیں اور آپ کو وہاں سے جانے کا کہتے ہیں۔ اِن سادہ کپڑوں میں ملبوس افراد کے شناخت کے حوالے سے یہ تصدیق نہیں ہو سکی کہ اُن کا تعلق کسی سرکاری ادارے سے ہے یا کسی غیر سرکاری تنظیم سے۔

انڈیا کا الزام تھا کہ اس نے مریدکے میں اس سینٹر کو اس لیے میزائلوں سے نشانہ بنایا کیونکہ یہ 'کالعدم تنظیم لشکر طیبہ کا دہشتگردی کا مرکز ہے۔ تاہم پاکستانی حکومت کی طرف سے اس کی تردید کی گئی اور دعویٰ کیا گیا کہ حکومتی تحویل میں آنے کے بعد سے یہ ایک ہیلتھ اور ایجوکیشن سینٹر ہے جس کے اندر موجود ایک مسجد کو نشانہ بنایا گیا اور اس حملے میں مرنے والے تمام لوگ سویلین (یعنی عام شہری) ہیں۔'

پاکستان نے سنہ 2002 میں لشکر طیبہ پر سرکاری طور پر پابندی عائد کی تھی۔ تاہم اس پابندی کے باوجود ایسی رپورٹیں سامنے آتی رہی ہیں کہ لشکر طیبہ اپنی فلاحی تنظیم جماعت الدعوہ کو فرنٹ کے طور پر استعمال کر کے بدستور کام کرتی رہی۔ جماعت الدعوہ کی طرف سے اس کی تردید سامنے آتی رہی ہے۔

اقوام متحدہ کی سکیورٹی کونسل بھی لشکر طیبہ اور جماعت الدعوہ کو کالعدم تنظیموں اور اِن کے سربراہ حافظ سعید کو پابندی لگائے جانے والے افراد کی لسٹ میں شامل کر چکا ہے۔

اقوام متحدہ کی سکیورٹی کونسل کے مطابق لشکر طیبہ دہشت گردانہ سرگرمیوں میں ملوث رہی ہے جس کے القاعدہ اور اس کے سربراہ (سابق) اسامہ بن لادن سمیت متعدد کالعدم تنظیموں، اداروں اور افراد سے روابط ہیں۔

سنہ 2018 اور اس کے بعد سنہ 2019 میں پاکستان نے جماعت الدعوہ اور اس کی ایک ذیلی فلاحی تنظیم فلاح انسانیت فاونڈیشن پر بھی پابندی عائد کر دی تھی اور اس کے ساتھ ہی ان تنظیموں کے تمام تر اثاثے حکومت نے اپنی تحویل میں لے لیے۔

ان اثاثوں میں ایف آئی ایف کی ایمبولینس سروس، دفاتر، فلاحی مراکز کے علاوہ مریدکے میں واقع یہ مرکز بھی شامل تھا۔

یہ کارروائیاں اس وقت سامنے آئیں جب پاکستان کو مالی جرائم کی نگرانی کرنے والی بین الحکومتی تنظیم فنانشل ایکشن ٹاسک فورس یا فیٹف کی گرے لسٹ میں سنہ 2018 میں شامل کیا گیا تھا۔ اس لسٹ میں ان حکومتوں کو شامل کیا جاتا جن کے خلاف فیٹف یہ اندازہ لگائے کہ وہ منی لانڈرنگ اور دہشت گردی کی مالی معاونت جیسے جرائم کو موثر طریقے سے نہیں روک پا رہی۔

پاکستان کو سنہ 2022 میں فیٹف کی گرے لسٹ سے نکال دیا گیا تھا۔

تاہم پاکستانی حکومت کا موقف ہے کہ سنہ 2019 میں ایف آئی ایف پر پابندی اور اس کے اثاثوں کو حکومتی تحویل میں لینے کے بعد سے مریدکے مرکز کا نظم و نسق حکومت کے پاس ہے۔

پاکستانی حکومت کا یہ موقف بھی ہے کہ سنہ 2025 میں ہونے والے انڈین میزائل حملوں کے وقت بھی اس مرکز کا نظام ضلعی حکومت کے پاس تھا اور اس حملے میں مرکز میں جن تین افراد کی ہلاکت ہوئی وہ سویلین تھے۔

سنہ 2019 میں ہی کی گئی پاکستانی حکومت کی کارروائیوں کے دوران پاکستانی حکومت نے صوبہ پنجاب کے جنوبی ضلع بہاولپور میں واقع مسجد سبحان اللہ اور اس سے ملحقہ مدرسہ کو بھی حکومتی تحویل میں لیا تھا۔

یہ مسجد اور مدرسہ بھی ان تین مقامات میں سے ایک ہے جسے انڈیا نے چھ اور سات مئی 2025 کی درمیانی شب میزائلوں سے نشانہ بنایا تھا۔ پاکستانی حکام کے مطابق ان حملوں میں لگ بھگ 14 افراد ہلاک ہوئے تھے جن میں خواتین اور بچے بھی شامل تھے۔

اس سے قبل سنہ 2019 میں جب حکومت نے اس مسجد اور مدرسے کا کنٹرول لیا تھا تو اس وقت بھی ہمیں وہاں جانے کا موقع ملا تھا۔ اس وقت ضلعی حکومت کی طرف سے تعینات کیے جانے والے اہلکار مسجد میں آ چکے تھے اور اُن کے لیے وہاں ڈیسک بنایا جا رہا تھا۔

انڈین میزائل حملوں کے ایک سال بعد جب ہم دوبارہ وہاں گئے تو اس کا منظر مختلف ہے۔ بہاولپور شہر کی طرف سے کراچی ہائی وے پر موڑ کاٹتے ہی دور سے ہی مسجد سبحان اللہ نظر آ جاتی ہے۔

اس کے قریب پہنچیں تو دیکھا جا سکتا ہے کہ وہ مقام جہاں میزائل گرا تھا اس جگہ مسجد کی چھت پر نئے گنبد تعمیر کر دیے گئے ہیں۔ مسجد کے ان گنبدوں کو نیا رنگ کیا جا رہا ہے۔

انڈیا کا الزام ہے کہ اس نے بہاولپور میں اس مسجد اور مدرسے کے کمپاونڈ کو اس لیے نشانہ بنایا کہ یہاں 'کالعدم تنظیم جیش محمد کا ہیڈکوارٹر' موجود تھا۔ یاد رہے کہ پہلگام میں سیاحوں پر حملے کے واقعے کے بعد انڈیا کی حکومت نے الزام عائد کیا تھا کہ اس واقعے میں جیش محمد اور لشکر طیبہ جیسی تنظیموں ذمہ دار ہیں، تاہم ان تنظیموں کی طرف سے اس حملے کی ذمہ داری قبول نہیں کی گئی تھی اور پاکستان کی حکومت نے بھی یہ موقف اختیار کیا تھا کہ پاکستان کا اس حملے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اس سے قبل گذشتہ چند برس میں بھی انڈیا اور انڈیا کے زیر انتظام کشمیر میں ہونے والے دہشت گردی کے واقعات میں انڈیا کی حکومت جیش محمد کو ذمہ دار ٹھہراتی رہی ہے۔

اقوام متحدہ کی سکیورٹی کونسل کے مطابق جیشِ محمد نامی تنظیم کو مولانا مسعود اظہر نے 1999 میں انڈین جیل سے رہائی کے بعد قائم کیا تھا۔ مسعود اظہر نے جیشِ محمد کی بنیاد اسامہ بن لادن، طالبان اور دیگر کئی شدت پسند تنظیموں کی حمایت سے رکھی تھی۔

تاہم پاکستان حکومت ان الزامات کی تردید کرتی ہے کہ بہاولپور میں مسجد سبحان اللہ اور مدرسہ صابر کے مقام پر جیش محمد کا کوئی مبینہ کیمپ موجود ہے۔ پاکستان نے سنہ 2002 میں مسعود اظہر کی قائم کردہ جیش محمد پر پابندی عائد کی تھی۔

امریکہ اور ایران کے درمیان جاری تنازع اور تیل کی قیمتوں میں اضافے نے دنیا بھر میں روزمرہ زندگی کو شدید متاثر کیا ہے۔

اور اس دوران مہنگائی سے متاثر ہونے والے سینکڑوں پاکستانیوں نے بھی بظاہر 'پیٹرول کی قید' سے آزاد ہونے کا فیصلہ کیا ہے۔

مارچ اور اپریل کے دوران پاکستان میں پیٹرول کی قیمتیں بڑھنے کے ساتھ ساتھ الیکٹرک موٹر سائیکلوں اور سکوٹرز کی فروخت میں تیزی دیکھی گئی ہے جسے کمپنیوں نے 'غیر معمولی' قرار دیا ہے۔

دو پہیوں والی موٹر سائیکلیں طویل عرصے سے پاکستانیوں کی عام سواری سمجھی جاتی ہیں۔ مالی سال 2025 کے دوران ملک میں 15 لاکھ سے زیادہ موٹر سائیکلیں فروخت ہوئی تھیں۔ تاہم اس بحران سے قبل پیٹرول سے چلنے والی موٹر سائیکل ہی عوام کی پہلی ترجیح تھی۔

لیکن مارچ کے دوران ای وی کمپنیوں نے اپنی بائیکس اور سکوٹرز کی

ایران جنگ اور تیل کی بڑھتی قیمتیں:

پاکستان میں ای بائیکس کی فروخت میں 'غیر معمولی' اضافہ

فروخت میں کئی گنا اضافہ ریکارڈ کیا ہے۔ کمپنیوں کے مطابق صارفین کی اکثریت اب پیٹرول سے الیکٹرک سواری کی جانب منتقل ہونے والوں کی ہے، جو کہ اس سے قبل نئے صارفین اور خواتین ہوتی تھیں۔

الیکٹرک بائیکس کی سیلز کتنی بڑھیں؟

الیکٹرک بائیکس بنانے والی کمپنی 'ایوی' کے ڈائریکٹر سیلز اینڈ مارکیٹنگ حمزہ اسد کا کہنا ہے کہ مارچ 2026 میں اُن کی کمپنی نے 800,9 یونٹس فروخت کیے، جبکہ جنگ کے اغاز سے قبل اُن کی ماہانہ فروخت لگ بھگ پانچ ہزار یونٹس کے قریب رہا کرتی تھی۔

ان کے مطابق ماضی میں صرف 30 فیصد صارفین ایسے ہوتے تھے جو پیٹرول سے الیکٹرک بائیک پر منتقل ہوتے تھے، جبکہ اکثریت نئے صارفین کی تھی۔

تاہم جنگ کے آغاز کے بعد اور تیل کی قیمتیں بڑھتے ہی مارچ میں صورتحال مکمل طور پر بدل گئی۔ حمزہ اسد کے مطابق اب '80 فیصد صارفین پیٹرول سے الیکٹرک بائیک پر منتقل ہوئے۔'

ان کا کہنا ہے کہ مارچ 2026 سے قبل ملک بھر میں الیکٹرک بائیکس اور سکوٹرز کی مجموعی ماہانہ اوسط فروخت 15 ہزار تھی، جبکہ مارچ 2026 میں یہ بڑھ کر 29 ہزار تک پہنچ گئی۔

ان کی رائے ہے کہ اس بڑھتی ہوئی دلچسپی کی بڑی وجوہات مشرق وسطیٰ میں جنگ، تیل کی قیمتوں میں اضافہ اور مہنگائی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ 'اس عرصے میں ہمارا کاروبار بہت اچھا رہا ہے۔'

الیکٹرک بائیکس بنانے والی کمپنی 'یاڈیا' کے سی ای او سلمان تنویر نے بھی مارچ اور اپریل کے دوران فروخت میں نمایاں اضافے کا ذکر کیا ہے۔

انھوں نے بی بی سی اُردو کو بتایا کہ جب سے پاکستان میں الیکٹرک بائیکس متعارف ہوئی ہیں، یہ پہلی بار ہے کہ صارفین نے اس پیمانے پر دلچسپی ظاہر کی ہے۔

اُن کے مطابق 2025 کے مالی سال میں الیکٹرک بائیکس کا مارکیٹ سائز ایک لاکھ چھ ہزار یونٹس تھا، جن میں بائیکس اور سکوٹرز دونوں شامل تھے۔ انھیں امید ہے کہ رواں سال یہ تعداد تین سے چار لاکھ کے درمیان جا سکتی ہے۔

وہ مزید بتاتے ہیں کہ مارچ کے دوران اُن کی کمپنی کی فروخت 500,1 یونٹس سے تجاوز کر گئی جو پچھلے سال اسی عرصے کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ ہے۔

صابر شیخ، جو الیکٹرک بائیکس کے کاروبار سے وابستہ ہیں اور پاکستان موٹر سائیکل اسمبلرز ایسوسی ایشن کے سابق سربراہ رہ چکے ہیں، کا کہنا ہے کہ پہلے ملک میں الیکٹرک بائیکس میں دلچسپی محدود تھی اور سیلز سست روی کا شکار تھیں۔

ان کے مطابق 'جیسے ہی امریکہ ایران جنگ کے بعد پیٹرول کی قیمت بڑھی، بہت سے لوگوں نے فوراً الیکٹرک بائیک خریدنے کا فیصلہ کیا۔'

یاد رہے کہ گذشتہ دنوں وزیر اعظم شہباز شریف کی زیر صدارت ہونے والے ایک اجلاس کے بعد جاری کردہ اعلامیے میں بتایا گیا کہ وفاقی حکومت نے گریڈ 16 تک کے سرکاری ملازمین کو آسان اقساط پر الیکٹرک بائیکس فراہم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اعلامیے کے مطابق یہ فیصلہ پاکستان میں الیکٹرک گاڑیوں (ای وی) کے فروغ کے عمل کو تیز کرنے کے لیے کوششوں کے سلسلے میں کیا گیا ہے۔

'30 روپے فی لیٹر'

یاڈیا کے نمائندے سلمان تنویر کا کہنا ہے کہ الیکٹرک بائیکس نہ صرف صارفین کے لیے بچت کا ذریعہ بن سکتی ہیں بلکہ اس سے ملک کے فیول بل میں بھی کمی لائی جا سکتی ہے۔

اُن کے مطابق 'جس طرح گھریلو سولر پینلز نے ہمیں (بجلی کی مہنگی قیمتوں سے) بچایا ہے، اسی طرح الیکٹرک بائیکس بھی یہی کردار ادا کریں گی۔ اگر فیول کی قیمت مزید بڑھی تو الیکٹرک بائیکس رکھنے والے صارفین زیادہ محفوظ ہوں گے۔'

پاکستان میں گھریلو سطح پر شمسی توانائی کے استعمال کا رجحان تیزی سے بڑھ رہا ہے جس کی بڑی وجوہات میں بجلی کے بڑھتے ہوئے بل، لوڈ شیڈنگ اور قابل تجدید توانائی کا حصول شامل ہیں۔

شہروں کے ساتھ ساتھ مضافاتی علاقوں میں بھی گھرانے شمسی پینلز کو متبادل یا جزوی توانائی کے ذرائع کے طور پر اپنا رہے ہیں۔ اس رجحان نے نہ صرف صارفین کے لیے اخراجات کم کیے ہیں بلکہ قومی گرڈ پر دباؤ میں بھی کسی حد تک کمی لانے میں مدد دی ہے۔ (باقی صفحہ نمبر 26 پر)

آئی ایم ایف کی شرط یا غلط استعمال کی روک تھام:

200 یونٹ استعمال کرنے والے صارفین کے لیے سبسڈی کے طریقہ کار میں تبدیلی کی وجہ کیا ہے؟

پاکستان میں وفاقی حکومت کی جانب سے بجلی صارفین کو دی جانے والی سبسڈی کے نظام میں تبدیلی کا اعلان کیا گیا ہے۔

وفاقی وزارت توانائی کی جانب سے ایک بیان میں بتایا گیا ہے کہ ایسے بجلی صارفین جنھیں حکومت کی جانب سے ماہانہ بلوں میں سبسڈی دی جا رہی ہے، انھیں واضح طور پر بتایا جائے گا کہ انھیں ہر مہینے کتنی رقم کی سبسڈی فراہم کی جا رہی ہے۔

وفاقی وزارت توانائی کی جانب سے یہ اعلان ایسے وقت میں آیا ہے جب میڈیا اطلاعات کے مطابق پاکستان نے بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (آئی ایم ایف) کو یقین دہانی کروائی ہے کہ ملک میں 200 یونٹس تک بجلی استعمال کرنے والے پروٹیکٹڈ صارفین کو دی جانے والی سبسڈی ختم کر دی جائے گی اور انھیں ٹارگٹڈ سبسڈی کی فراہمی تک رقم دی جائے گی۔

یہ ٹارگٹڈ سبسڈی بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام (بی آئی ایس پی) کے تحت فراہم کی جائے گی اور اس کا نفاذ جنوری 2027 سے ہوگا۔

واضح رہے کہ پاکستان میں بجلی صارفین کی مختلف کیٹیگریز ہیں جو صارفین کی جانب سے بجلی کے استعمال پر بنائی گئی ہیں جن کے لیے بجلی کے ریٹ مختلف ہیں۔

پاکستان میں 200 یونٹس تک بجلی استعمال کرنے والے صارفین کا سبسڈی کے ذریعے تحفظ کیا گیا اور ان کی جانب سے ادا کی جانے والی بجلی کی قیمت 200 اور اس سے زائد یونٹس بجلی استعمال کرنے والے صارفین کے مقابلے میں کم ہے۔

پاکستان میں بجلی کے شعبے کے نگران ادارے نیشنل الیکٹرک ریگولیٹری اتھارٹی کے مطابق ملک میں 200 یونٹس تک بجلی استعمال کرنے والے پروٹیکٹڈ صارفین کی تعداد دو کروڑ سے زائد ہے جو بجلی صارفین کی مجموعی تعداد کا 59 فیصد ہیں۔

وفاقی حکومت کی جانب سے کم بجلی استعمال کرنے والے صارفین کے لیے سبسڈی کے نئے نظام کے بارے میں توانائی امور کے ماہرین کا کہنا ہے کہ یہ آئی ایم ایف کی شرائط کے تحت کیا گیا، جس کے تحت اب صارفین کو بجلی کے بلوں میں سبسڈی کی بجائے انھیں بی آئی ایس پی کے ذریعے رقم فراہم کر کے بجلی کی کم قیمت ادا کرنے کے لیے سہولت فراہم کی جائے گی۔

وفاقی وزارت توانائی نے بجلی صارفین کے بلوں میں سبسڈی کے سلسلے میں نئے نظام کے بارے میں ایک بیان میں کہا ہے کہ بجلی کی تقسیم کار کمپنیوں نے صارفین کی سہولت اور حکومتی سبسڈی کے شفاف طریقے سے صارفین کو پہنچنے کے لیے ایک اہم اقدام اٹھایا ہے۔

اب ان صارفین کے ماہانہ بلوں پر جنھیں حکومت کی طرف سے سبسڈی دی جا رہی ہے، واضح طور پر یہ بتایا جائے گا کہ انھیں اس مہینے میں کتنی رقم کی سبسڈی فراہم کی گئی ہے۔

وزارت توانائی کے مطابق یہ قدم اس لیے اٹھایا گیا تاکہ یہ سبسڈی اہل اور مستحق صارفین تک پہنچتی رہے۔ بجلی کے بل پر ایک کیو آر کوڈ دیا جا رہا ہے، جسے سکین کر کے صارفین کو ایک لنک پر رجسٹریشن کرنا ہوگا۔

یہ رجسٹریشن محض اس بات کو یقینی بنانے کے لیے ہے تاکہ غریب اور بجلی کم استعمال کرنے والے خاندانوں کو ریلیف ملتا رہے۔

وزارت توانائی نے واضح کیا کہ اس کا ہرگز مطلب یہ نہیں کہ سبسڈی ختم کی گئی۔

اس کے مطابق حکومت کا موقف ہے کہ غریب اور متوسط طبقے کو ریلیف دینا اولین ترجیح ہے اور اس عمل کا مقصد فقط وسائل کا صحیح اور منصفانہ استعمال ہے تاکہ ٹیکس دہندگان کے پیسے ضائع ہونے سے بچ سکیں۔

وزارت نے کہا کہ صارفین مستقبل میں اہل بجلی صارفین کے لیے سبسڈی کے تسلسل کے لیے دیے گئے کیو آر کوڈ پر جلد از جلد رجسٹریشن کریں۔ اگر کسی صارف کو بل پر کوئی غلطی یا دیگر پریشانی ہو تو وہ اپنی متعلقہ بجلی کمپنی کے ہیلپ لائن نمبر پر رابطہ کر سکتے ہیں۔

سبسڈی کے نظام میں تبدیلی کی وجہ

بجلی صارفین کے لیے سبسڈی کے نئے نظام کے متعارف کرانے کے بارے میں توانائی شعبے کے ماہرین کا کہنا ہے کہ اس کی وجہ آئی ایم ایف کی جانب سے بجلی صارفین کے لیے عام سبسڈی کی بجائے ٹارگٹڈ سبسڈی کے نظام کو متعارف کرنا ہے۔

پالیسی ادارہ برائے پائیدار ترقی میں توانائی شعبے کے ماہر ڈاکٹر خالد ولید نے بی بی سی اردو سے بات کرتے ہوئے بتایا کہ آئی ایم ایف پروگرام کے تحت پاکستان کو سبسڈی ختم کرنی ہے۔

انھوں نے کہا کہ اگرچہ اس کے پس پردہ ماحولیات کو ٹھیک کرنے کی وجہ ہے کہ سستی بجلی کے بے جا استعمال سے ماحول پر برا اثر پڑتا ہے تاہم انھوں نے اس کی اصل وجہ معاشی صورتحال کو قرار دیا۔

انھوں نے بتایا کہ جو لوگ کم بجلی استعمال کرتے ہیں انھیں بجلی دس روپے فی یونٹ پڑتی ہے جبکہ اس کی لاگت 26 سے 30 روپے فی یونٹ ہوتی ہے۔

انھوں نے کہا اس کے لیے یا تو حکومت سبسڈی فراہم کرتی ہے یا زیادہ بجلی استعمال کرنے والوں سے زیادہ قیمت وصول کی جاتی ہے۔

انھوں نے کہا کہ 200 یونٹ تک استعمال کرنے والے پروٹیکٹڈ صارفین عمومی طور پر ایسے صارفین ہیں جن کے گھر پر پر دو پنکھے یا دو تین بلب استعمال ہوتے ہیں جس سے ان کا بجلی کا بل 200 یونٹس کے اندر رہتا ہے اور یوں ان کو بجلی کا کم بل ادا کرنا پڑتا ہے۔

تو کیا پروٹیکٹڈ صارفین کے لیے سبسڈی کا غلط استعمال ہوا؟

پاکستان میں کم بجلی استعمال کرنے والوں کے لیے بجلی بلوں میں سبسڈی دی جاتی ہے تاکہ انھیں بجلی کی زیادہ قیمت ادا نہ کرنی پڑے۔

پاکستان میں گزشتہ چند برسوں میں بجلی کی قیمت میں نمایاں اضافہ ہوا تاہم پروٹیکٹڈ صارفین کا سبسڈی دے کر تحفظ دیا گیا۔

توانائی شعبے کے ماہرین کا اس سلسلے میں کہنا ہے کہ 200 یونٹس تک بجلی استعمال کرنے والے پروٹیکٹڈ صارفین کے لیے سبسڈی کا غلط استعمال بھی ہوا۔

عمار حبیب خان نے بی بی سی بات کرتے ہوئے بتایا کہا ایک پوش علاقے میں دو تین منزلہ مکان میں تین چار میٹر لگے ہوتے ہیں تاکہ ہر میٹر پر بجلی کے یونٹ 200 سے کم رہیں۔

انھوں نے کہا کہ ایک پوش علاقے میں کروڑں روپے کے مکان کا مالک اس سبسڈی کا مستحق نہیں تاہم وہ اس سبسڈی سے فائدہ اٹھا رہا ہے جو ایک کم آمدن والے شخص کے لیے مختص کی گئی۔

عمار حبیب نے بتایا اسی طرح جن صارفین نے اپنے گھروں پر سولر سسٹم لگائے ہیں ان کا گرڈ بجلی کا استعمال کم ہوتا ہے اور ان کا بجلی کا بل بھی 200 یونٹس سے کم ہوتا ہے تاہم مہنگے سولر سسٹم لگانے کے باوجود وہ بھی اس سبسڈی سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

عمار حبیب نے بتایا کہ اب حکومت بی آئی ایس پی کے ذریعے کم آمدن والے افراد جو کم بجلی استعمال کرتے ہیں انھیں سبسڈی فراہم کرے گی۔ انھوں نے بتایا کہ اس وقت ایک کروڑ کے لگ بھگ افراد بی آئی ایس پی میں رجسٹرڈ ہیں۔

انھوں نے بتایا کہ اس پروگرام کے تحت غربت سکور بورڈ بنتا ہے کہ یہ غریب افراد ہیں اور انھیں مالی معاونت دی جانی چاہیے اور اب بجلی کے بل میں سبسڈی کی رقم بھی انھیں اسی سکور بورڈ کے تحت دی جائے گی۔

ماہر معیشت علی خضر بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ 200 یونٹس تک دی جانے والی عمومی سبسڈی کا غلط استعمال ہو رہا ہے اور اس سے ایسے افراد بھی فائدہ اٹھا رہے ہیں کہ جو اس کے مستحق نہیں۔

علی خضر نے بتایا کہ عمومی سبسڈی کے خاتمے سے بجلی کے بلوں میں اضافہ ہوگا اور لوگ اس پر شور بھی مچائیں گے تاہم بی آئی ایس پی کے ذریعے ٹارگٹڈ سبسڈی سے کم آمدنی والے افراد کی معاونت ہو سکے گی۔

میسٹری ڈاک

(رابیل امر)

انسانی جسم کائنات کا سب سے بڑا معمہ ہے "میسٹری ڈاک" میں ہم آپ کو ان قدیم باطنی طاقتوں سے روشناس کرائیں گے جو آپ کے جسم، سانس اور خلیات میں پوشیدہ ہیں۔ آئیں ادویات کے بغیر لازوال حُسن کے سفر پر چلیں

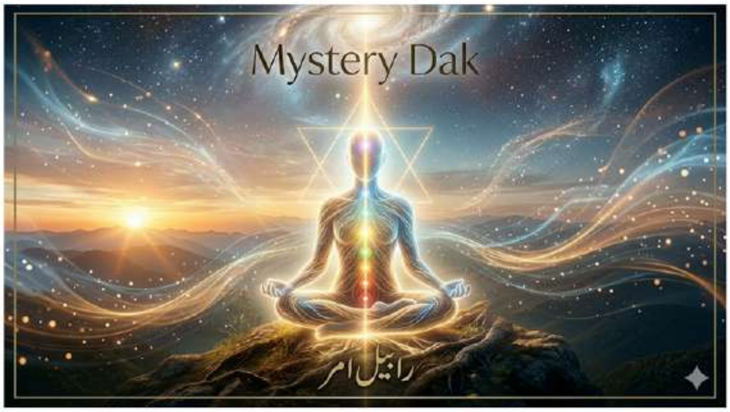

س: کیا ہم اپنی سانسوں سے جسم کا درجہ حرارت کنٹرول کر سکتے ہیں؟
ج: جی ہاں! "سیٹکاری" کے ذریعے زبان کو تالو سے لگا کر سیٹی کی آواز میں ٹھنڈی ہوا اندر کھینچیں، یہ شدید گرمی میں بھی جسم کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔

س: سورج کی روشنی سے ہڈیوں کا علاج کیسے ممکن ہے؟
ج: صبح کی پہلی دھوپ کو پندرہ سے بیس منٹ ریڑھ کی ہڈی پر لگوانا مہروں کے درمیان "فلوئڈ" کو دوبارہ پیدا کرنے میں مدد دیتا ہے۔

س: کیا درختوں سے توانائی لی جا سکتی ہے؟
ج: قدیم علوم کے مطابق پرانے درختوں کے قریب بیٹھنا یا انہیں چھونا انسانی ہالے (Aura) کی صفائی کرتا ہے اور منفی توانائی جذب کر لیتا ہے۔

س: جسم میں "بجلی" کا توازن کیسے برقرار رکھیں؟
ج: تانبے کا کڑا پہننا یا تانبے کے برتن کا استعمال جسمانی الیکٹرانز کو متوازن رکھتا ہے، جس سے اعصابی درد نہیں ہوتا_

س: فوری توانائی (Instant Energy) کا باطنی طریقہ؟
ج: اپنے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو تیزی سے چار سے پانچ منٹ تک رگڑیں اور پھر پورے چہرے پر ملیں، یہ سوئے ہوئے خلیوں کو بیدار کر دیتا ہے۔

س: کیا مٹی کا لیپ بیماریوں کو کھینچ لیتا ہے؟
ج: پیٹ پر گیلی مٹی کا لیپ معدے کی پرانی سے پرانی جلن اور السر کا قدیم اور پراسرار علاج ہے۔
(دائمی مریض کو اکیس دن تک روزانہ یہ لیپ کم از کم ایک گھنٹہ تک کرنا چاہیے، بعد میں نیم گرم پانی سے دھو لیں)

س: خیالات سے خون کی صفائی کیسے ہوتی ہے؟
ج: شکر گزاری کے جذبات خون میں "سیروٹونن" پیدا کرتے ہیں جو زہریلے مادوں کو ختم کرنے کا کام کرتا ہے۔

س: وہ کون سی مدرا ہے جو وزن کم کرنے میں جادوئی اثر رکھتی ہے؟
ج: "سوریا مدرا" رِنگ فنگر کو انگوٹھے کی جڑ میں رکھ کر دبائیں _ یہ میٹابولزم کو تیز کر کے چربی پگھلاتی ہے۔
(ایسے مدرا روزانہ تیس سے ساٹھ منٹ تک دن رات میں ایک ایک بار کر لینے چاہیے)

س: یادداشت کو کمپیوٹر کی طرح تیز کرنے کا ایکوپریشر پوائنٹ؟
ج: انگوٹھے کے بالکل اوپری حصے (ٹپ) کو دوسرے ہاتھ سے خالی پیٹ یا رات کو سوتے وقت پندرہ منٹ تک دبانا یا مساج کرنا دماغی صلاحیتوں کو جلا بخشتا ہے۔

س: بے چینی اور اینگزائٹی کا فوری حل؟
ج: "گیان مدرا"۔ شہادت کی انگلی اور انگوٹھے کو ملا کر 15 منٹ بیٹھیں، یہ دماغی لہروں کو پرسکون کر دیتی ہے۔

س: دل کی دھڑکن نارمل کرنے کا پوائنٹ؟
ج: بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی کے ناخن کے نچلے حصے کو دبانا بڑھی ہوئی دھڑکن کو قابو کرتا ہے۔

س: جگر کی صفائی کے لیے یوگا؟
ج: "کپال بھاتی" جھٹکے سے سانس باہر نکالنا جگر اور لبلبے کی سروس کرتا ہے۔
(کپال بھاتی، خالی پیٹ یا کھانا کھانے کے چار گھنٹے بعد تیس تیس منٹ کر لینی چاہیے)

س: پٹھوں کے کھچاؤ کا مدرا سے علاج؟
ج: "وایو مدرا" شہادت کی انگلی کو موڑ کر انگوٹھے سے دبائیں۔
روزانہ پندرہ سے بیس منٹ ایسا کرنا چاہیے۔
یہ جسم سے بادی اور گیس نکال کر درد ختم کرتی ہے۔

س: قد بڑھانے کا پراسرار پوائنٹ؟
ج: پاؤں کے انگوٹھے کے درمیان والے حصے کا مساج پٹیوٹری گلینڈ کو متحرک کرتا ہے۔
(روزانہ پندرہ منٹ خالی پیٹ یا کھانا کھانے کے چار گھنٹے بعد یہ مساج کر لینا چاہیے)

س: آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے ختم کرنے کا باطنی راز؟
ج: رات سونے سے پہلے ناف میں زیتون کا تیل لگائیں _ ناف کا تعلق جسم کی تمام رگوں اور چہرے کی تازگی سے ہے۔

س: جلد کو ہمیشہ جوان رکھنے والا "امرت"؟
ج: نہار منہ عرقِ گلاب میں ایک قطرہ لیموں ڈال کر پینا جلد کو اندر سے صاف اور چمکدار بناتا ہے۔
(عرقِ گلاب ایک سو پچاس ملی لیٹر کافی ہے، یعنی تقریباً ایک کپ _ اس میں ایک لیموں کا قطرہ یا دو سے زائد نہ ڈالیں)

س: بالوں کو گھنا کرنے کا قدیم نسخہ؟
ج: آملہ، ریٹھا اور سیکاکائی کے پانی سے سر دھونا بالوں کے ڈی این اے کو دوبارہ جوان کرتا ہے۔

س: مسکراہٹ سے چہرے کی ہڈیوں کی ورزش کیسے ہوتی ہے؟
ج: دن میں 10 بار کھل کر قہقہہ لگانا چہرے کے 17 پٹھوں کو ٹائٹ رکھتا ہے، جو جھریوں کا راستہ روکتا ہے۔

س: آواز میں رعب پیدا کرنے کا طریقہ؟
ج: گردن کو پیچھے جھکا کر آسمان کی طرف دیکھ کر گہرا سانس لینا تھائیرائڈ کو رعب دار آواز میں بدلتا ہے۔
(روزانہ پانچ سے دس منٹ سکون کے ساتھ یہ کر لینا چاہیے)

س: شخصیت میں مقناطیسی کشش کیسے پیدا کریں؟
ج: گفتگو کے دوران سامنے والے کی دونوں آنکھوں کے درمیان (تیسری آنکھ کے مقام) پر توجہ دیں، یہ آپ کا اثر قائم کرے گا۔

س: باطنی سکون کا حسن پر اثر؟
ج: روزانہ 5 سے پچیس منٹ کی خاموشی آپ کے چہرے پر وہ وقار لاتی ہے جو دنیا کی کوئی آرائش نہیں لا سکتی۔

ماہنامہ کرائم بیورو کراچی

فلموں کے ”نجات دہندہ“ سے وزیر اعلیٰ تک

تمل فلموں کے ہیرو وجے جوزف کے سیاسی عروج کی کہانی

فلموں میں ہیرو کا کردار نبھانے والے اب تمل ناڈو کے وزیرِ اعلیٰ بننے جا رہا ہیں اور وہ بھی پورے پانچ برس کے لیے۔ تاہم فی الحال تجسس برقرار ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ کہانی کسی فلمی سکرین پر نہیں، بلکہ حقیقی سیاسی میدان میں لکھی جا رہی ہے۔

انڈین ریاست تمل ناڈو کے گورنر کی جانب سے انتخابات میں سب سے زیادہ نشستیں حاصل کرنے والی جماعت کو حکومت بنانے کی دعوت نہ دینے پر ریاست میں سیاسی بے یقینی برقرار ہے۔

فلمی اداکار سے سیاست دان بننے والے سی جوزف وجے کی سیاسی جماعت تملگا ویٹری کزھگم (ٹی وی کے) نے اسمبلی انتخابات میں 234 میں سے 108 نشستیں حاصل کی تھیں۔ یوں وہ اکثریتی پارٹی بننے سے صرف 10 نشستیں پیچھے رہ گئے تھے۔

انڈیا کی بڑی حزبِ اختلاف کانگریس نے جس کے پاس پانچ نشستیں ہیں، نتائج کے چند ہی گھنٹوں کے اندر 'ٹی وی کے' کی حمایت کا اعلان کر دیا تھا۔ تاہم ریاستی گورنر راجندر وشواناتھ آرلیکر نے اصرار کیا کہ 'ٹی وی کے' حکومت بنانے کے لیے درکار 118 ارکانِ اسمبلی کی حمایت کا ثبوت پیش کرے۔ جمعے کی دوپہر تین چھوٹی جماعتوں کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا (سی پی آئی)، کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا-مارکسسٹ (سی پی آئی-ایم) اور ودھوتلائی چیروتھائیگل کچھی (وی سی کے) نے بھی 'ٹی وی کے' کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ ان تینوں جماعتوں کے پاس دو، دو نشستیں ہیں۔

جمعے کو سی جوزف وجے نے ایک بار پھر گورنر سے ملاقات کی جو تین روز میں ہونے والی تیسری ملاقات ہے۔

سیاسی منظرنامے پر ان کے شاندار عروج کا موازنہ میٹنی آئیڈیل ایم جی راماچندرن سے کیا جا رہا ہے، جنھوں نے اپنی جماعت بنا کر 1977 میں وزیرِ اعلیٰ کا عہدہ سنبھالا تھا۔

وجے کو تمل ناڈو کے نوجوانوں اور خواتین میں بے پناہ مقبولیت حاصل ہے اور ان کی جیت سے اُن کے مداح خوشی سے نہال ہیں۔

ان کی جماعت کے قائدین اور اتحادیوں نے گورنر کی جانب سے وجے کو حکومت بنانے کی دعوت نہ دینے پر تنقید کی تھی۔

اداکار نے بدھ کے روز پہلی بار گورنر آرلیکر سے ملاقات کر کے اگلی حکومت بنانے کا دعویٰ کیا تھا۔ جمعرات کو اُنھوں نے دوبارہ ملاقات کی۔

چند گھنٹوں بعد، گورنر کے دفتر سے ایک پریس ریلیز جاری کی گئی جس میں وضاحت کی گئی کہ 'قانون ساز اسمبلی میں حکومت بنانے کے لیے درکار اکثریتی حمایت ثابت نہیں ہو سکی۔'

تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ گورنر کی ترجیح ایک مستحکم حکومت کی تشکیل کو یقینی بنانا ہے جو اسمبلی میں اپنی اکثریت ثابت کر سکے۔

تاہم بعض آئینی ماہرین کہتے ہیں کہ ایسی کئی مثالیں موجود ہیں جہاں گورنر نے واحد سب سے بڑی جماعت یا اتحاد کو حکومت بنانے کی دعوت دی اور انھیں ایوان میں اکثریت ثابت کرنے کے لیے وقت دیا۔

ان کا کہنا ہے کہ وجے کو اس موقع سے محروم رکھنا ناانصافی ہے۔

اس ریاست کی سیاست دہائیوں سے دو علاقائی جماعتوں دراوڑ منیترا کزھگم (ڈی ایم کے) اور آل انڈیا انا دراوڑ منیترا کزھگم (اے آئی اے ڈی ایم کے) کے زیرِ اثر رہی ہے، جو باری باری اقتدار میں آتی رہی ہیں۔

'ٹی وی کے' نے توقعات کے برعکس اس دو جماعتی نظام کو توڑا اور ریاستی انتخابات میں سب سے بڑی جماعت بن کر اُبھری۔

اداکار کی جماعت نے طاقتور موجودہ حکمران ڈی ایم کے کو شکست دی، جس کی قیادت ایم کے سٹالن کر رہے تھے۔

گذشتہ 48 گھنٹوں میں، جب 'ٹی وی کے' کے مستقبل پر بے یقینی چھائی ہوئی تھی۔ انڈین میڈیا میں ہر طرح کے ممکنہ سیاسی جوڑ توڑ کی خبریں سامنے آئیں۔ ایک امکان یہ بھی تھا کہ الیکشن ہارنے والی دونوں جماعتیں مل کر حکومت بنانے کی کوشش کر سکتی ہیں۔ تمل ناڈو میں طویل عرصے سے سنیما اور اقتدار کا امتزاج دیکھنے میں آیا ہے اور وجے نے فلمی ستاروں راماچندرن اور ان کی جانشین جے للیتا کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے سیاست میں قدم رکھا ہے، جنھوں نے دہائیوں تک ریاست کی قیادت کی۔ تاہم، ان کے برعکس، وجے کے پاس کسی قسم کا سیاسی تجربہ نہیں ہے۔ سنہ 2024 میں 'ٹی وی کے' کے قیام کے فوری بعد اُنھوں نے اعلان کیا تھا کہ وہ سیاست کو وقت دینے کے لیے فلموں سے کنارہ کشی اختیار کر لیں گے۔

فلموں میں 'نجات دہندہ'

انڈیا کی جنوبی ریاست تمل ناڈو کی ایک طویل سیاسی روایت ہے اور یہاں سنیما اور سیاست کا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے اور فلمی شخصیات اپنی مقبولیت کا سیاسی میدان میں بھی فائدہ اُٹھاتے رہی ہیں۔

ایم جی رامچند رن، جے للیتا، رجنی کانت، کمل ہاسن، خوشبو اور وجے کانت جیسے اداکار فلموں میں اپنے جوہر دکھانے کے بعد سیاسی میدان میں بھی کامیابیاں سمیٹتے رہے ہیں۔

جے للیتا سنہ 1991 سے 2016 کے دوران مختلف مواقع پر 14 برس سے زائد عرصے تک ریاست کی وزیرِ اعلیٰ رہیں۔ اب جوزف وجے بھی اس فہرست میں شامل ہونے کے لیے تیار ہیں۔

ایم جی رامچند رن اور جے للیتا اقتدار میں آنے سے پہلے فلمی دُنیا سے الگ ہو گئے تھے۔ لیکن کمل ہاسن کے ہائبرڈ نقطہ نظر، جس میں سنیما اور سیاست دونوں میں سرگرم رہنا شامل ہے، نے محدود انتخابی نتائج برآمد کیے ہیں۔ چنئی میں مقیم فلمی نقاد آدتیہ شری کرشنا کہتے ہیں کہ وجے مقبولیت کے لحاظ سے رجنی کانت اور کمل ہاسن نہیں ہیں۔ لیکن رقص، کامیڈی اور پاپولسٹ سنیما کی گہری سمجھ ان کی طاقت ہے۔

نقاد پریتم کے چکرورتی کہتے ہیں کہ وجے کی مقبولیت کوئی حادثاتی نہیں ہے۔

وجے نے 1980 کی دہائی میں چائلڈ ایکٹر کے طور پر آغاز کیا اور 1992 میں ان کے والدین فلمساز ایس اے چندر شیکھر اور گلوکار مصنف شوبا چندر شیکھر نے نالایا تھیرپو کے ساتھ ایک مرکزی اداکار کے طور پر آغاز کیا۔ فلم فلاپ ہوئی، لیکن ان کا کریئر کامیاب نہیں ہوا۔

اگلی تین دہائیوں کے دوران وہ لگ بھگ 70 فلموں میں نظر آئے۔ نوے کی دہائی میں وہ رومانوی فلموں میں بطور ہیرو آنے لگے جبکہ 2012 کے بعد فلموں میں اُن کا روپ ایک نجات دہندہ کے طور پر سامنے آیا۔

کیا پاکستانی ڈراموں کی غیر ضروری طوالت انہیں نیٹ فلکس اور دیگر او ٹی ٹی پلیٹ فارمز سے دور رکھے ہوئے ہے؟

پاکستانی ڈرامے طویل عرصے سے جنوبی ایشیا کی ثقافتی شناخت کا ایک اہم حصہ رہے ہیں۔ ان کی کہانیاں، مکالمے اور کردار نہ صرف پاکستان بلکہ انڈیا، مشرقِ وسطیٰ، برطانیہ اور دیگر ممالک میں اردو سمجھنے والے ناظرین کے درمیان مقبول ہیں۔

یوٹیوب اور دیگر ڈیجیٹل پلیٹ فارمز نے اس رسائی کو مزید وسعت دی ہے، مگر اس کے باوجود ایک بنیادی سوال اپنی جگہ قائم ہے اور وہ یہ کہ پاکستانی ڈرامے عالمی او ٹی ٹی پلیٹ فارمز، خصوصاً نیٹ فلکس اور ایمازون پرائم، پر نمایاں کیوں نہیں؟

یہ سوال اس وقت اور بھی اہم ہو جاتا ہے جب مقامی سطح پر 'شرپسند'، 'ایک اور پاکیزہ' اور 'معمہ' جیسے ڈرامے نہ صرف ریٹنگز بلکہ ناظرین کی توجہ بھی حاصل کر رہے ہوں۔ کیا وجہ ہے کہ یہی مواد عالمی معیار پر جگہ نہیں بنا پا رہا؟

ٹیلنٹ کی کمی نہیں، مسئلہ کہاں ہے؟

پاکستانی انڈسٹری میں ٹیلنٹ کی کمی کا دعویٰ کرنا مشکل ہے۔ گذشتہ ایک سال کے دوران ہانیہ عامر، فاران طاہر اور ساجد حسن جیسے اداکار بین الاقوامی پراجیکٹس میں کام کر چکے ہیں۔

ہانیہ عامر نہ صرف دلجیت دوسانجھ کی پنجابی فلم 'سردار جی تھری' کی مرکزی ہیروئن تھیں، بلکہ اس فلم نے انڈیا میں ریلیز نہ ہونے کے باوجود ریکارڈ بزنس کیا۔

ہالی وڈ میں آئرن مین، سٹار ٹریک اور سکیپ پلین جیسی فلموں کے ذریعے اپنا لوہا منوانے کے بعد فاران طاہر اب ہم ٹی وی کے ڈرامے لیڈر کے ساتھ پاکستانی ٹی وی پر کم بیک کر رہے ہیں، جبکہ گذشتہ ماہ ساجد حسن ایمازون پرائم کی سیریز بیٹ میں اکیڈمی ایوارڈ ونر رز احمد کے والد کے کردار میں نظر آئے۔ اس کے علاوہ گذشتہ سال ریلیز ہونے والی ہالی وڈ فلم دی وندو میں فیصل قریشی اور سمیع خان جب کہ دی مارشل آرٹسٹ کے ذریعے شاز خان اور صنم سعید نے عالمی سطح پر ڈیبیو کیا۔

اگر ٹیلنٹ موجود ہے تو پھر رکاوٹ کہاں ہے؟

طوالت: مقبولیت یا مجبوری؟

پاکستانی ڈراموں میں جہاں کئی خصوصیات ہیں وہیں ماہرین کی نظر میں ایک خرابی بھی ہے، ان کی غیر ضروری طوالت۔ جہاں ایک طرف ماضی میں پی ٹی وی کے دور میں 13 اقساط پر مشتمل ڈرامے عام تھے، وہیں آج کل 30 سے 50 اقساط تک کے ڈرامے معمول بن چکے ہیں۔

حال ہی میں نشر ہونے والا شرپسند اس کی ایک مثال ہے، جو 50 سے زائد اقساط پر مشتمل تھا۔ اگرچہ نعمان اعجاز کی عمدہ اداکاری کی وجہ سے اس ڈرامے نے ریٹنگز حاصل کیں، مگر سوشل میڈیا پر اس کی طوالت کو شدید تنقید کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ اس کے برعکس ایک اور پاکیزہ نسبتاً کم اقساط میں مکمل ہوا اور اسے اس کی کہانی اور پروڈکشن کے لیے سراہا گیا۔

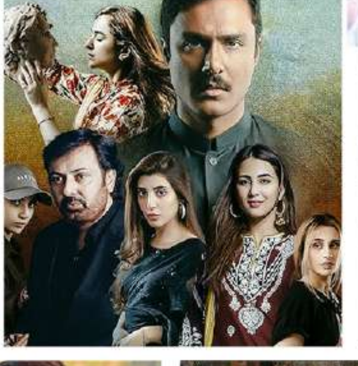

یہ فرق محض ناظرین کے ذوق کا نہیں بلکہ ایک بڑے مسئلے کی نشاندہی کرتا ہے، خاص طور ایک ایسے دور میں جہاں کم سے کم اقساط کی او ٹی ٹی سیریز کو دیکھنے والے زیادہ پسند کرتے ہیں۔

او ٹی ٹی فارمیٹ: مختصر مگر مؤثر

او ٹی ٹی پلیٹ فارمز پر مواد کا فارمیٹ روایتی ٹی وی سے مختلف ہوتا ہے۔ یہاں سیریز عموماً 6 سے 10 اقساط پر مشتمل ہوتی ہیں اور ہر قسط کا دورانیہ بھی محدود ہوتا ہے۔ اس فارمیٹ میں کہانی کو غیر ضروری طوالت کے بغیر پیش کرنا ضروری ہوتا ہے۔

اداکار و ہدایتکار ساجد حسن گزشتہ چالیس سال سے شوبز سے وابستہ ہیں، نہ صرف وہ انڈین ٹی وی اور فلموں میں کام کر چکے ہیں بلکہ حال ہی میں ایمازون پرائم کی سیریز بیٹ میں بھی ایک اہم کردار میں نظر آئے، بی بی سی اردو سے بات کرتے ہوئے انھوں نے پاکستان اور انٹرنیشنل لیول کے فرق کو واضح کیا۔

'باہر ہر چیز پلاننگ کے ساتھ ہوتی ہے، ریہرسل، سکرپٹ ریڈنگ اور شوٹنگ کا مکمل شیڈول۔ یہی چیز ہمارے ہاں کم نظر آتی ہے۔'

ان کے مطابق مختصر فارمیٹ نہ صرف کہانی کو مؤثر بناتا ہے بلکہ پروڈکشن کے معیار کو بھی بہتر بناتا ہے۔

کمرشل دباؤ اور اقساط کا پھیلاؤ

ڈرامہ نگار صائمہ اکرم چوہدری کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں، گذشتہ دس سالوں کے دوران وہ سنو چندا، عشق جلیبی اور چپکے چپکے سمیت کئی ایسے رمضان ڈرامے لکھ چکی ہیں، جن کا دورانیہ بھی کم ہوتا ہے اور جن کی اقساط کا تعین بھی پہلے سے ہوتا ہے۔

بی بی سی اردو سے گفتگو کرتے ہوئے ان کا کہنا تھا کہ پاکستانی ڈراموں کی طوالت کی سب سے بڑی وجہ کمرشل ازم ہے۔

'جب ایک ڈرامہ مقبول ہو جاتا ہے تو اسے طول دینا ایک کاروباری فیصلہ بن جاتا ہے۔ اضافی اقساط کا فائدہ صرف پروڈیوسر کو ہوتا ہے۔'

وہ وضاحت کرتی ہیں کہ اکثر ڈرامے ایک مخصوص تعداد کی اقساط کے لیے لکھے جاتے ہیں، مگر بعد میں انہیں فلیش بیکس، سست رفتار مناظر اور غیر ضروری ٹریکس کے ذریعے بڑھا دیا جاتا ہے۔

ان کے مطابق یہ رجحان نہ صرف کہانی کو متاثر کرتا ہے بلکہ ناظرین کی دلچسپی بھی کم کر دیتا ہے۔

تخلیقی نقصان تخلیق کاروں کی نظر میں

رائٹر اور ڈائریکٹر محسن علی نے گذشتہ چند سالوں میں منی سیریز فارمیٹ

پر کام کرنے کی کوشش کی، ان کا لکھا ڈرامہ گناہ جس میں صبا قمر، سرمد کھوسٹ اور رابعہ بٹ مرکزی کردار ادا کر رہی تھیں، اس قدر مقبول ہوا تھا کہ ہدایتکار عدنان سرور کو اس کا پریکویل انسپکٹر صبیحہ بنانا پڑا تھا۔

محسن علی ڈراموں کو غیر ضروری طور پر طول دینے کو تخلیقی نقصان قرار دیتے ہیں۔ 'جب آپ ایک مکمل کہانی کو کھینچتے ہیں تو آپ اس کی تاثیر کھو دیتے ہیں۔' ان کے مطابق مسئلہ صرف پروڈیوسرز کا نہیں بلکہ پورے سسٹم کا ہے، جہاں ادائیگی کا نظام فی قسط کے حساب سے ہوتا ہے، جس سے اقساط بڑھانے کا رجحان پیدا ہوتا ہے۔

تکنیکی معیار اور تربیت کی کمی

حال ہی میں ٹی وی ڈراموں سے رائلٹی اور کری ایٹیو فریڈم کی وجہ سے کنارہ کشی اختیار کرنے والے ہدایتکار کاشف نثار کے مطابق پاکستانی انڈسٹری کو صرف کہانی نہیں بلکہ تکنیکی مہارتوں میں بھی بہتری کی ضرورت ہے۔ 'او ٹی ٹی پلیٹ فارمز کے لیے کام کرنا ایک الگ ہنر ہے۔ ہمیں ساؤنڈ، ایڈیٹنگ اور کلر گریڈنگ جیسے شعبوں میں بھی عالمی معیار تک پہنچنا ہوگا۔'

وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ پاکستان اس میدان میں کئی سال پیچھے ہے اور اس خلا کو پُر کرنے کے لیے تربیت اور سرمایہ کاری ضروری ہے۔

نیٹ فلکس کا معیار، ایک سخت امتحان

انڈین صحافی اور نیٹ فلکس پر موجود سپورٹس ڈاکیومینٹری دی گریٹسٹ رائیولری، پاکستان ورسز انڈیا کے پروڈیوسر چندریش نارائنن نے بی بی سی اردو سے بات کرتے ہوئے بتایا کہ او ٹی ٹی پلیٹ فارم کے لیے مواد تیار کرنے کا مطلب ہے ان کی مرضی کے مطابق کام کرنا، جو ایک طویل اور پیچیدہ عمل ہے۔ نیٹ فلکس کے ساتھ اپنا تجربہ شیئر کرتے ہوئے انھوں نے یہ بھی کہا کہ 'یہ وہ عمل ہے جس کی وجہ سے نیٹ فلکس دوسرے پلیٹ فارمز سے آگے ہے۔'

'فلم ہو، ٹی وی شو ہو یا پھر ڈاکیومینٹری، اپنے ہر پراجیکٹ میں نیٹ فلکس ہر مرحلے میں شامل ہوتا ہے اور متعدد بار تبدیلیاں تجویز کرتا ہے، یہ ایک مسلسل ارتقائی عمل ہے جس سے ہم بھی گزرے اور سب کو گزرنا پڑتا ہے۔' چندریش نارائنن پاکستانی ڈراموں پر بھی گہری نظر رکھتے ہیں اور انہوں نے شرپسند کی مثال دیتے ہوئے کہا کہ اگر یہ ڈرامہ نیٹ فلکس پر ہوتا تو فراست علی خان کے کردار کے انجام میں 52 اقساط نہیں لگتیں۔

ان کے خیال میں پاکستان کی پہلی نیٹ فلکس سیریز 'جو بچے ہیں سنگ سمیٹ لو' بھی اسی لیے تاخیر کا شکار ہے کیوں کہ اس میں او ٹی ٹی پلیٹ فارم کا عمل دخل زیادہ ہے، لیکن وہ پرامید ہیں کہ جب بھی یہ سیریز آئے گی، نیٹ فلکس کے شایانِ شان ہوگی۔

سیاسی اور علاقائی عوامل

شوبز صحافی اور انڈین فلمسازوں کے ساتھ متحدہ عرب امارات کی پہلی پروڈکشن یاراوے کی شریک مصنفہ مہوش اعجاز سمجھتی ہیں کہ نیٹ فلکس یا ایمازون پرائم پر پاکستانی مواد کا نہ ہونا افسوسناک ہے، جس میں سیاسی عوامل کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ 'او ٹی ٹی پلیٹ فارمز پر علاقائی اثر و رسوخ بھی اہم کردار ادا کرتا ہے، جس کا اثر پاکستانی مواد کی رسائی پر پڑتا ہے۔'

تاہم وہ اس بات سے اتفاق کرتی ہیں کہ معیار اور پیشکش میں بہتری لانا ناگزیر ہے۔

'ڈرامہ لمبا ہو یا کم دورانیے کا، ڈرامہ اچھا ہونا چاہیے۔ ہالی ووڈ میں گریز اناٹمی دہائیوں سے اوپر جا چکا ہے مگر لوگ اب بھی اسے پسند کرتے ہیں۔ اگر مان بھی لیا جائے کہ کم دورانیے کا ڈرامہ پیسہ نہیں کماتا تو پھر لکھاریوں اور کانٹینٹ والوں کو ٹرین کیا جائے کہ ڈرامہ اگر 32 اقساط کا ہے تو اسے 32 سمجھ کر لکھا جائے نہ کہ 16 سوچا جائے اور 17 ویں قسط کے بعد اسکولیئی کی طرح کھینچ کھینچ کر کچرا کر دیا جائے۔'

وسائل، بجٹ اور 'جگاڑ' کلچر

ڈرامہ نگار صائمہ اکرم چوہدری اس بحث میں ایک اور اہم پہلو کی نشاندہی کرتی ہیں اور وہ ہے 'وسائل کی کمی'۔

'او ٹی ٹی پلیٹ فارمز کے لیے جس معیار کا مواد درکار ہوتا ہے، اس کے لیے بڑا بجٹ، جدید تکنیک اور تربیت یافتہ ٹیم چاہیے۔ ہمارے ہاں اکثر پروڈیوسرز جلدی میں اور کم وسائل کے ساتھ کام مکمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جس سے معیار متاثر ہوتا ہے۔'

ان کے خیال میں جب تک معیار پر سمجھوتہ جاری رہے گا، عالمی پلیٹ فارمز تک رسائی مشکل رہے گی۔

'یوٹیوب کی کمائی نے تبدیلی روک دی ہے'

رائٹر اور ہدایتکار محسن علی کے مطابق مسئلہ صرف تخلیقی نہیں بلکہ معاشی ڈھانچے سے بھی جڑا ہوا ہے۔

'جب تک چینلز کو یوٹیوب سے آمدن ہو رہی ہے، وہ او ٹی ٹی کی طرف جانے میں دلچسپی نہیں لیں گے۔ اس وقت سب سے زیادہ فائدہ چینلز کو ہو رہا ہے، پروڈیوسرز کو نہیں۔' وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ اگر واقعی او ٹی ٹی پلیٹ فارمز تک جانا ہے تو سب سے پہلے رائٹرز اور ہدایتکاروں کو اس فارمیٹ کے مطابق تربیت دینا ہوگی۔

'فیصلہ کر لیں تو اقساط نہیں بڑھتیں'

انڈین او ٹی ٹی پلیٹ فارم زی فائیو کے لیے متعدد پراجیکٹس بنانے والے ہدایتکار کاشف نثار اس بحث کو ایک مختلف زاویے سے دیکھتے ہیں۔ 'اگر ہدایتکار یہ طے کر لے کہ ڈرامہ نہیں کھینچنا تو وہ نہیں کھنچے گا۔ مسئلہ نیت اور نظام دونوں کا ہے۔' وہ اس بات کی بھی نشاندہی کرتے ہیں کہ پاکستان او ٹی ٹی کے میدان میں کافی دیر سے داخل ہوا۔

'جب دنیا او ٹی ٹی کے لیے تیاری کر رہی تھی، ہم اس طرف توجہ ہی نہیں دے رہے تھے۔ اب ہم کم از کم 15 سے 20 سال پیچھے ہیں۔'

ان کے مطابق صرف کہانی کافی نہیں بلکہ مکمل پروڈکشن ویلیو ساؤنڈ، ایڈیٹنگ اور پریزنٹیشن بھی عالمی معیار کی ہونی چاہیے۔

حکومتی کردار اور مقامی او ٹی ٹی پلیٹ فارم

اداکار ساجد حسن کے مطابق پاکستان میں او ٹی ٹی پلیٹ فارم کے قیام میں حکومت کا کردار اہم ہو سکتا ہے۔ 'یہ ایک بڑا کام ہے جس کے لیے ریاستی سطح کی سپورٹ درکار ہوتی ہے۔ اگر پاکستان کا اپنا مضبوط او ٹی ٹی پلیٹ فارم ہو تو مقامی مواد کو عالمی سطح پر پیش کیا جا سکتا ہے۔'

وہ انڈیا کی مثال دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہاں او ٹی ٹی پلیٹ فارمز نے ملک کے مثبت امیج کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا۔

کیا ہم تیار ہیں؟

ان تمام آراء کو سامنے رکھا جائے تو ایک بات واضح ہوتی ہے کہ مسئلہ صرف ڈراموں کی طوالت نہیں بلکہ ایک بڑے نظامی خلا کا حصہ ہے جس میں کمرشل دباؤ، تکنیکی کمی، تربیت کا فقدان اور پالیسی کی عدم موجودگی شامل ہیں۔ ڈراموں کی غیر ضروری طوالت یقیناً ایک بڑی رکاوٹ ہے مگر یہ دراصل ایک بڑے مسئلے کی علامت ہے۔

جب تک ٹی وی انڈسٹری اپنے ڈھانچے، معیار اور سوچ میں تبدیلی نہیں لاتی، تب تک پاکستانی ڈرامہ عالمی سکرین پر وہ مقام حاصل نہیں کر سکے گا جس کا وہ حقدار ہے، اور او ٹی ٹی پلیٹ فارمز تک اس کی رسائی ممکن نہیں ہوگی۔

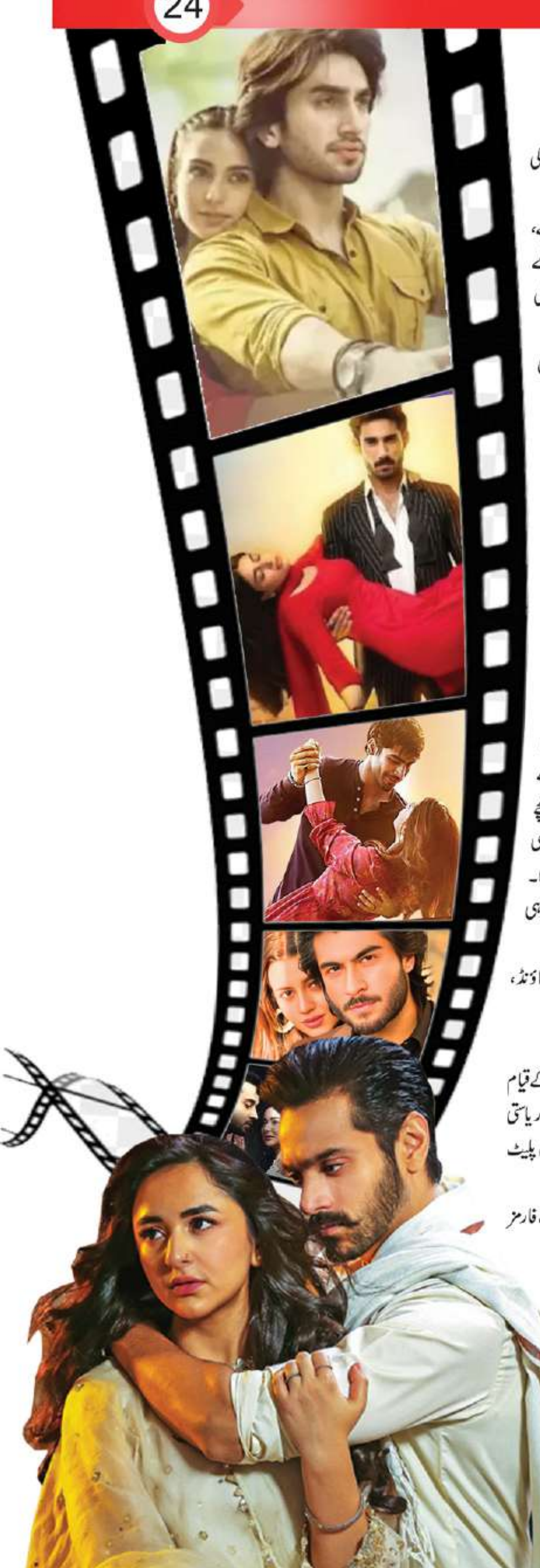

’تھو کیے گئے متبرک پانی سے کینسر کا علاج‘:

طبی سہولیات کی قلت سے مایوس افغان روحانی معالجین سے رجوع پر مجبور

افغانستان کے جنوبی شہر قندھار کے مضافات میں ایک سادہ سے گھر کے سامنے درجنوں لوگ جمع ہیں۔ وہ یہاں اُن بیماریوں سے نجات کی امید میں آئے ہیں جواُن کی زندگیوں کوخطرے میں ڈال رہی ہیں۔

ایک کمرے میں، جس کی دیواروں پر شوخ پینٹ کیا گیا ہے، بہت سے بیمار مرد، خواتین اور بچے بیٹھے یا لیٹے نظر آتے ہیں تاہم یہاں موجود تمام افراد موت کے دہانے پر نہیں یا کسی شدید بیماری میں مبتلا نہیں۔

ایک کونے میں ندا محمد قادری بیٹھے ہیں، یہ وہی شخصیت ہیں، جن سے ملنے یہ سب لوگ آئے ہیں۔ سفید پگڑی اور لمبی سیاہ داڑھی میں ملبوس قادری خود کو ’پیر‘ یا معالج کہتے ہیں۔

قادری پانی کی ایک بوتل سے گھونٹ لیتے ہیں اور پھر سامنے بیٹھے لوگوں پر تھوک کر پانی چھڑکتے ہیں۔ اُن کا دعویٰ ہے کہ خدا کے وسیلے سے یہ سادہ سا عمل سرطان اور تھیلیسیمیا جیسے امراض میں مبتلا بہت سے لوگوں کو شفا دے چکا ہے۔

قادری کے پاس نہ کوئی باقاعدہ مذہبی تعلیم ہے اور نہ ہی کوئی طبی تربیت۔ چند سال قبل تک وہ باورچی کے طور پر کام کرتے تھے لیکن وہ کہتے ہیں کہ اُس وقت بھی لوگ تعویذ لینے کے لیے اُن کے پاس آتے تھے ایسی چھوٹی اشیا جنھیں کچھ لوگ مافوق الفطرت طاقت کا حامل سمجھتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جیسے جیسے لوگوں کی حالت بہتر ہوتی گئی، ویسے ویسے آنے والوں کی تعداد میں نمایاں اضافہ ہوا، خصوصاً سرطان کے مریضوں کی۔

شعبہ صحت کی بری حالت

عالمی ادارۂ صحت کے مطابق افغانستان میں ہر سال 24 ہزار سے زیادہ افراد کینسر میں مبتلا ہوتے ہیں اور اس بیماری کے باعث سالانہ تقریباً 17 ہزار اموات ہوتی ہیں۔

ماہرین کے مطابق اصل تعداد اس سے کہیں زیادہ ہوسکتی ہے کیونکہ ہسپتالوں اور کلینکس کی قلت اور وہاں کام کرنے والے ڈاکٹروں اور نرسوں کی کمی کے باعث بہت سے مریضوں کی کبھی باقاعدہ تشخیص ہی نہیں ہو پاتی۔

افغانستان میں لوگ مناسب طبی سہولیات کی کمی اور اُن چند طبی مراکز تک رسائی کے اخراجات کے سبب تیزی سے نام نہاد روحانی معالجوں کی طرف رجوع کرر ہے ہیں۔

ماہرین کا کہنا ہے کہ افغانستان میں باقی خطے کی نسبت سرطان کی شرح زیادہ ہے، جس کی وجوہات میں طرزِ زندگی کے مختلف عوامل شامل ہیں، مثلاً نمکین غذاؤں کا حد سے زیادہ استعمال، بغیر دھوئیں والا تمباکو ’نسوار‘، اور غیر معمولی حد تک فضائی آلودگی۔

2021 میں طالبان کے اقتدار میں آنے کے بعد بین الاقوامی امداد میں بھی نمایاں کمی آئی۔ مثال کے طور پر انٹرنیشنل کمیٹی آف دی ریڈ کراس (آئی سی آر سی) نے مالی وسائل کی کمی کا حوالہ دیتے ہوئے قندھار کے میر وائس ہسپتال کے لیے اپنی معاونت معطل کر دی، یہ ہسپتال خطے میں طبی سہولیات کا بڑا مرکز ہے۔

منقطع مالی معاونت کے بعد یہ ہسپتال شدید وسائل کی کمی کا شکار ہو گیا، جس کے باعث مریضوں کو بنیادی ادویات اور سامان بھی خود خریدنا پڑتا ہے۔ ان شدید کمیوں کے اثرات، کم از کم جنوبی افغانستان میں جزوی طور پر ہمسایہ ملک پاکستان کے ذریعے کم کیے جاتے تھے۔ 18 ماہ پہلے تک قندھار کے رہائشی ویزے کے بغیر سرحد پار کر کے نسبتاً بہتر سہولتوں والے ہسپتالوں میں علاج کے لیے پاکستان جاسکتے تھے، حتیٰ کہ معمولی بیماریوں کے لیے بھی۔ لیکن یہ آمدورفت بھی اب بند ہو چکی۔ افغانستان اور پاکستان کے درمیان جھڑپوں کے بعد چمن اور سپین بولدک سرحدی راستے بند کیے گئے اور اب سخت پابندیاں عائد ہیں جن کے تحت وہ ادویات بھی محدود ہوگئی ہیں جو پہلے پاکستان سے درآمد کی جاتی تھیں اور جن پر یہ علاقہ بڑی حد تک انحصار کرتا ہے۔ اس سب نے افغانستان کے پہلے سے کمزور نظام صحت پر مزید دباؤ ڈال دیا۔

نذیر احمد میوندوال کی اہلیہ شکریہ کو ایک سال سے زیادہ عرصے قبل شدید سردرد ہونے لگا۔ وہ اپنی اہلیہ کو پاکستان لے گئے، جہاں ان کے دماغ میں رسولی کی تشخیص کے بعد اُن کا آپریشن کیا گیا۔

میوندوال کہتے ہیں کہ ’آپریشن کے بعد میری بیوی کی حالت بہتر ہونے لگی۔ اُس کا وزن کچھ بڑھ گیا اور چھ ماہ تک سب کچھ ٹھیک لگا تاہم اس کے بعد اُس کی صحت پھر بگڑنے لگی۔‘ مایوسی کے عالم میں، ڈاکٹروں کے مشورے پر وہ دوبارہ پاکستان جانے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن تب تک سرحد بند ہو چکی تھی۔

میوندوال کہتے ہیں کہ ’میں نے تین بار پاکستانی ویزے کے لیے درخواست دی لیکن ہر بار وہ مسترد ہو گئی۔ میں کابل گیا لیکن وہاں بھی سرطان کے علاج کے مرکز میں ریڈیو تھراپی دستیاب نہیں تھی۔ میں مایوس ہو کر گھر لوٹ آیا۔‘ شکریہ مارچ میں وفات پا گئیں۔ وہ صرف 24 سال کی تھیں۔

قندھار میں قادری کے گھر پر اب بھی لوگ پہنچ رہے ہیں۔ بہت سے افراد آخری امید کی تلاش میں آتے ہیں۔

قادری کہتے ہیں کہ ’سرطان کے مریض افغانستان کے ہر کونے سے میرے پاس آتے ہیں، روزانہ 250 سے 300 بلکہ کبھی کبھی 400 تک لوگ آتے ہیں۔‘

حبیب اللہ کے بیٹے اسد بھی اُن میں شامل تھے۔ حبیب اللہ اپنے بیٹے کے علاج کے لیے ہمسایہ ملک پاکستان پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تھے لیکن وہاں انھیں بتایا گیا کہ اب کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ انھیں مشورہ دیا گیا کہ وہ اسد کو گھر لے جا کر باقی وقت خاندان کے ساتھ گزارنے دیں۔

ہار ماننے سے انکار کرتے ہوئے اور کسی طرح کے ’ذہنی سکون‘ کی تلاش میں، حبیب اللہ افغانستان واپس لوٹ آئے۔ ان کو اپنے دوستوں سے پتا چلا کہ قادری نے سرطان کے بہت سے مریضوں کو شفا دی، چنانچہ وہ اسد کو اُن کے پاس لے گئے۔ لیکن وہاں بھی کوئی امید نہ ملی۔

حبیب اللہ کہتے ہیں کہ ’اُنھوں نے میرے بیٹے کی تصویر لی اور اسے اپنے پاس رکھنے کو کہا، یہ کہہ کر کہ دس دن بعد اُس کا چہرہ بدل جائے گا اور وہ خود کو بھی پہچان نہیں پائے گا۔‘ اس کے برعکس، اسد کی حالت مزید خراب ہو گئی اور وہ ہسپتال لے جاتے ہوئے راستے میں فوت ہو گیا۔

حبیب اللہ افسوس کے ساتھ کہتے ہیں کہ ’میں نے اپنا بیٹا کھو دیا۔ اُس کے پانچ بچے اور ایک بیوہ پیچھے رہ گئی۔‘ ’میرے بیٹے کو بے بنیاد وعدوں سے دھوکہ دیا گیا۔ پیسے اور تعویذ دیے لیکن سرطان سے صحت یاب نہ ہو سکا۔‘ حبیب اللہ کا دعویٰ ہے کہ اگرچہ قادری نے بطور ادائیگی ایک بھیڑ قبول کی تھی لیکن اس کے علاوہ بھی وہ ’نذرانے اور سفری اخراجات‘ کے نام پر بڑی رقم کا مطالبہ کرتے تھے۔ حبیب اللہ کا کہنا ہے کہ قادری ’دھوکے باز‘ ہیں۔

قندھار کے ایک اور رہائشی جنھوں نے نام ظاہر نہ کرنے کی درخواست کی، کہتے ہیں کہ وہ جلد کے کینسر کے علاج کے لیے کئی درگاہوں اور روحانی معالجوں، بشمول قادری، کے پاس گئے۔ وہ کہتے ہیں کہ ’قادری نے مجھے کہا کہ پاکستان یا کہیں اور نہ جاؤ اور ایک بھیڑ لاؤ۔ خدا کے حکم سے تم مکمل طور پر ٹھیک ہو جاؤ گے۔‘

ان کا مزید کہنا ہے کہ وہ سات دن تک دعا کے لیے قادری کے پاس

جاتے رہے اور انھیں سیفٹر یاکسون کے انجیکشن اور کوایموکسی کلاو اور آگمینٹن کی گولیاں بھی دی گئیں۔ یہ طاقتور اینٹی بائیوٹکس ہیں جو عام طور پر بیکٹیریا کے مختلف انفیکشنز کے علاج کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔

'اس سب کے باوجود میری حالت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ مجھے احساس ہوگیا کہ وقت ضائع ہو رہا ہے، اس لیے میں مجبوراً پاکستان کے شہر لاہور کے شوکت خانم ہسپتال گیا۔'

وہاں طبی علاج کے بعد وہ صحت یاب ہوگئے۔

'لوگ میرے کام کے اعتراف میں خود ہی پیسے دیتے ہیں'

ماہرین خبردار کرتے ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی اینٹی بائیوٹک سرطان کے علاج میں استعمال نہیں ہوتی۔

ان کا کہنا ہے کہ ماہر معالجین کے مشورے کے بغیر ان ادویات کا غلط استعمال خطرناک ہے اور اس کے نتیجے میں متعدد مسائل پیدا ہو سکتے ہیں، جن میں ادویات کے خلاف مزاحمت بھی شامل ہے۔

اس حوالے سے اپنے جواب میں قادری کسی قسم کی ادائیگی لینے سے انکار کرتے ہیں تاہم وہ بی بی سی کو بتاتے ہیں کہ کچھ لوگ ان کے کام کے اعتراف میں خود ہی پیسے دے دیتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ 'آپ لوگوں سے پوچھ لیں۔'

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ 'ڈاکٹر سے مشورے کے بعد' وہ اپنے پاس آنے والوں کو ادویات تجویز کرتے ہیں اور یہ کہ انھوں نے کبھی کسی کو مزید طبی علاج حاصل کرنے سے نہیں روکا۔

قادری افغانستان میں مایوس لوگوں کو ایسی خدمات فراہم کرنے والے واحد شخص نہیں۔

ننگرہار کے رہائشی محمد عزیز سعیدی کہتے ہیں کہ ان کی جڑواں بیٹیوں کو تھیلیسیمیا تھا اور انھیں زندہ رہنے کے لیے ہر ماہ خون منتقلی کی ضرورت ہوتی تھی۔

ان کے مطابق کچھ رشتہ داروں کے مشورے پر وہ اپنی بیٹیوں کو روحانی معالجوں کے پاس لے گئے لیکن اُن کی حالت مزید بگڑ گئی۔

سعیدی کہتے ہیں کہ 'کسی نے کھانے میں پرہیز تجویز کیا تو کسی نے متبرک پانی دیا لیکن کوئی بہتری نہیں آئی۔ بعد میں ہم نے طبی علاج شروع کیا اور اب اُن کی حالت بہت اچھی ہے۔'

ماہرین متنبہ کرتے ہیں کہ دعا اور روحانی علاج دائمی اور جان لیوا بیماریوں میں مبتلا افراد کو ذہنی سہارا اور تسلی تو دے سکتے ہیں لیکن ان کا نعم البدل طبی علاج نہیں ہونا چاہیے۔

یہ شاید قندھار کے اس معمولی سے گھر کے باہر صبر سے انتظار کرنے والوں کے لیے سننا مشکل ہو، ایسے لوگ جو کم ہوتی امید کے باعث وہاں پہنچتے ہیں۔

بقیہ پاکستان میں ای بائیکس کی فروخت میں 'غیر معمولی' اضافہ

اس سے قبل معیشت دان عاطف میاں نے بھی ایک تجزیے میں دعویٰ کیا تھا کہ ای وی موٹر سائیکلوں کو اپنانے سے اور اس حوالے سے انفراسٹرکچر پر سرمایہ کاری سے پاکستان میں پیٹرول کی فی لیٹر قیمت 30 روپے تک گر سکتی ہے۔ انھوں نے اپنے تجزیے میں بتایا کہ پاکستان میں گھریلو سولر کا تیزی سے پھیلنا 'کوئی فیشن یا وقتی رجحان نہیں بلکہ ایک عقلی معاشی ردِعمل ہے۔' ان کے مطابق بجلی کے بلند نرخوں اور غیر مؤثر پاور سیکٹر کی

پالیسیوں نے صارفین کو قومی گرڈ سے دور ہونے پر مجبور کیا ہے۔ یعنی جو گھر اور کاروبار سولر لگانے کی سکت رکھتے ہیں وہ گرڈ چھوڑ رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ لوگ پیٹرول عموماً سفر کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ 'پاکستان میں عام شہری موٹر سائیکل استعمال کرتا ہے۔ ایک ایندھن کی بچت کرنے والی موٹر سائیکل ایک لیٹر میں تقریباً 60 کلومیٹر کا سفر طے کر سکتی ہے۔ اسی طرح ایک اچھی الیکٹرک سکوٹر فی کلوواٹ آور تقریباً 30 کلومیٹر چل سکتی ہے، یعنی اِسی 60 کلومیٹر فاصلے کے لیے اسے صرف دو کلوواٹ آور درکار ہوتے ہیں۔'

وہ اپنے ان اعداد و شمار کو سولر چارجنگ سے ثابت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ دو کلوواٹ آور یعنی دو یونٹ کی لاگت 'صرف 10 سینٹ بنتی ہے۔'

فروخت میں تیزی کے باوجود مشکلات کیوں؟

اگرچہ الیکٹرک بائیکس مختلف خصوصیات کے باعث مختلف قیمتوں میں دستیاب ہیں تاہم ایوی کمپنی سے منسلک حمزہ اسد کے مطابق پاکستانی صارفین کی اکثریت ایک لاکھ 60 ہزار سے دو لاکھ روپے تک کی ای وی بائیک خریدنے کی استطاعت رکھتی ہے۔ یاڈیا کے سی ای او سلمان تنویر کا کہنا ہے کہ ان کی کمپنی کا سب سے زیادہ فروخت ہونے والا ماڈل تقریباً دو لاکھ نو ہزار روپے کا ہے۔ اگرچہ کمپنی کی مجموعی قیمتیں ڈیڑھ لاکھ سے ساڑھے چار لاکھ روپے تک ہیں، تاہم ان کے بقول زیادہ تر صارفین ایک لاکھ 70 ہزار سے دو لاکھ روپے کے بجٹ میں ہی ای بائیک خریدنا چاہتے ہیں۔

ان کے مطابق لیتھیم بیٹری والی بائیکس کے لیے صارفین کو بجٹ بڑھانا پڑتا ہے اور اسی باعث زیادہ مہنگے ماڈلز کی فروخت محدود رہتی ہے۔

چونکہ زیادہ تر بائیکس چین سے درآمد کی جاتی ہیں، اس لیے سٹاک میں قلت کے خدشات بھی سامنے آئے ہیں۔ سلمان تنویر کا کہنا ہے کہ ان مصنوعات میں لوکلائزیشن نہ ہونے کے برابر ہے۔ صابر شیخ کے مطابق کئی ڈیلرز کے پاس سٹاک ختم ہو چکا ہے اور چونکہ زیادہ تر کمپنیاں ڈیلرز نے خود قائم کی ہیں، اس لیے ان کے پاس فوری طور پر نئی بائیکس منگوانے کے لیے مطلوبہ سرمایہ بھی نہیں ہوتا۔

وہ مزید کہتے ہیں کہ اب اس بڑھتی دلچسپی کو دیکھتے ہوئے ڈیلرز نے مزید سرمایہ کاری کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

آپ کے لیے کون سی ای وی بائیک بہتر رہے گی؟

صابر شیخ کے مطابق صارفین کو الیکٹرک بائیک خریدتے وقت سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ ان کا یومیہ استعمال کتنا ہے اور وہ چارجنگ کہاں سے اور کیسے کریں گے۔ ان کا کہنا ہے کہ مختلف قیمتوں میں دستیاب ماڈلز میں موٹر اور بیٹری کی صلاحیت بھی مختلف ہوتی ہے۔ 600 سے 1200 واٹ کی موٹر میں طاقت اور رفتار نسبتاً کم ہوتی ہے، اسی لیے یہ بائیکس سستی ہوتی ہیں۔ جبکہ 1500 سے 3000 واٹ کی موٹر بہتر رفتار اور طاقت فراہم کرتی ہے، تاہم قیمت زیادہ ہوتی ہے۔

وہ اس کا موازنہ 70 سی سی اور 125 یا 150 سی سی موٹر سائیکل سے کرتے ہیں۔ ان کے مطابق زیادہ گرم علاقوں میں گریفین بیٹریاں نسبتاً محفوظ سمجھی جاتی ہیں کیونکہ ان میں مئی، جون اور جولائی جیسے مہینوں میں آگ لگنے کا خطرہ کم ہوتا ہے۔

صابر شیخ کا کہنا ہے کہ بعض صارفین لیتھیئم آئرن فاسفیٹ بیٹریوں کو ترجیح دیتے ہیں، تاہم غلط تنصیب کی صورت میں ان میں آگ لگنے کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ اسی لیے ایسی بائیکس خریدتے وقت احتیاط ضروری ہے، جیسے دھوپ میں بائیک کھڑی نہ کرنا اور ٹھنڈی جگہ پر چارج کرنا۔

ان کے مطابق اگر کوئی شخص پیٹرول بائیک کا قابلِ اعتماد الیکٹرک متبادل خریدنا چاہتا ہے، جسے روزانہ کالج، یونیورسٹی یا دفتر جانے کے لیے استعمال کیا جا سکے، تو کم از کم دو ہزار واٹ کی موٹر اور 72 وولٹ، 38 ایمپیئر کی بیٹری ہونی چاہیے، اگرچہ اس کی قیمت زیادہ ہوتی ہے۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ جن علاقوں میں سڑکیں خراب ہوں وہاں بڑے وہیل سائز والی بائیک زیادہ موزوں رہتی ہے۔ مثال کے طور پر کراچی میں 10 سے 12 انچ کے پہیے مناسب نہیں سمجھے جاتے، اس لیے کم از کم 14 انچ کے پہیے بہتر رہتے ہیں، جو سڑکوں کے جھٹکے بہتر طور پر برداشت کر سکتے ہیں۔

’نظرانداز‘ کیا گیا بیٹا اور جانشینی کا جھگڑا:

سام سنگ کی اربوں کی سلطنت کا اگلا وارث کون؟

جب دنیا کی کچھ سب سے بڑی کمپنیوں کے اعلیٰ ترین عہدوں پر طاقت کی منتقلی ہوتی ہے تو عموماً زیادہ تر لوگوں کو اس کا احساس نہیں ہوتا۔ اگر مصنوعات اچھی کارکردگی دکھا رہی ہوں، سروسز ٹھیک ہوں اور دکانوں کی شیلفیں بھری ہوں، تو بورڈ روم میں کون بیٹھتا ہے، عموماً یہ معاملہ خبروں کی زینت نہیں بنتا لیکن سام سنگ کی بات کی جائے تو، اس کے پیچھے موجود خاندانی سلطنت اتنی پیچیدہ ہے اور یہ کمپنی جنوبی کوریا کی معیشت کے لیے اتنی اہم ہے کہ یہ معاملہ فرنٹ پیج پر ہیڈ لائنز میں جگہ بنانے لگا۔

اور یہ سنہ 2017 میں ہوا، جب سام سنگ کے متوقع وارث لی جے یونگ، جنھیں جے وائی لی بھی کہا جاتا ہے، کو ایک بدعنوانی سکینڈل کے باعث جیل بھیج دیا گیا، اس سکینڈل نے ملک کے صدر کو بھی اقتدار سے ہٹا دیا۔

57 سالہ لی، سام سنگ کے بانی کے پوتے ہیں۔ ’سام سنگ رائزنگ‘ نامی کتاب کے مصنف جیفری کین نے انھیں ’ٹیکنالوجی کی تاریخ کے طاقتور ترین افراد میں سے ایک‘ قرار دیا۔

لیکن 2015 میں جب ان کے والد یعنی سام سنگ کے چیئرمین لی کن ہی دل کے دورے کے بعد ہسپتال میں تھے، لی کی جانشینی محفوظ نہیں تھی۔ ان پر الزام تھا کہ انھوں نے چوئی سون سل کی زیرِ انتظام فاؤنڈیشنز کو رقم دی، جو جنوبی کوریا کی سابق صدر پارک گن ہائے کی قریبی دوست اور راز دار تھیں اور اس کے بدلے میں انھوں نے ایک ایسے انضمام کے لیے سیاسی حمایت حاصل کی جو کمپنی پر ان کی گرفت مضبوط کرتا۔ ان پر اس انضمام میں حصص اور اکاؤنٹنگ فراڈ کے استعمال کا بھی الزام لگایا گیا، یہ انضمام سام سنگ کی ایک ذیلی کمپنی سام سنگ سی اینڈ ٹی اور کاروباری سلطنت کے ایک اور حصے چیئل انڈسٹریز کے درمیان ہوا تھا۔

استغاثہ کے مطابق اس نے یہ سب اس لیے کیا تا کہ نئی ضم شدہ کمپنی میں سب سے زیادہ حصہ اپنے قبضے میں لے سکے، اور یوں بالآخر سام سنگ الیکٹرانکس پر کنٹرول حاصل کر سکیں، جو اس کاروباری سلطنت کا سب سے قیمتی حصہ اور طاقت کا بڑا ذریعہ ہے۔

لی جے یونگ ہمیشہ فراڈ کے الزامات کی تردید کرتے رہے ہیں مگر 2017 میں انھیں رشوت دینے کے جرم میں قصوروار ٹھہرایا گیا۔ جب 2016 میں یہ بڑا بدعنوانی سکینڈل سامنے آیا تو اس نے سیول کی سڑکوں پر لاکھوں افراد کی کئی ہفتوں پر محیط احتجاجی تحریک کو جنم دیا اور بالآخر یہ معاملہ ملک کے صدر کی مواخذہ کارروائی تک جا پہنچا۔

یہ معاہدہ اتنا اہم کیوں تھا؟

سام سنگ کی بنیاد 1930 کی دہائی کے آخر میں ایک کریانے کی دکان کے طور پر رکھی گئی تھی، تب سے یہ کمپنی لی خاندان کے کنٹرول میں ہے۔ جیوفرے کین کے مطابق، جنوبی کوریا میں اس خاندان کی حیثیت ’شاہی خاندان کے مترادف‘ ہے۔ انھوں نے اس کاروبار کو ایک حقیقی عالمی طاقت میں تبدیل کیا، جس میں صارفین کی معروف ٹیکنالوجی کے ساتھ ساتھ انشورنس، میموری چپس اور تعمیرات جیسے شعبے بھی شامل ہیں۔

لیکن اس کاروبار کو خاندانی کنٹرول میں رکھنے کے لیے، اس کو پیچیدہ انضمامات، خریداریوں اور طاقت کی منتقلی کے سلسلوں سے گزرنا پڑا اور یہ ہی وہ وجوہات تھیں، جنھوں نے لی جے یونگ کو جیل تک پہنچایا۔

وہ 2014 سے اس کمپنی کے قائم مقام سربراہ تھے، جب ان کے والد، جو اس وقت سام سنگ کے چیئرمین تھے، کو دل کا دورہ پڑا۔ ان کے والد نے کمپنی کو ایک کامیاب ملکی کاروبار سے ایک عالمی کاروبار میں تبدیل کیا تھا۔ اقتدار سنبھالنے کی تیاری میں، لی جے یونگ اعلیٰ عہدوں کے ایک سلسلے سے گزر چکے تھے۔

لیکن جب وہ قائم مقام چیئرمین بنے تو انھیں ایک مشکل صورت حال کا سامنا تھا: سام سنگ پر مکمل خاندانی کنٹرول یقینی بنانے کے پیچیدہ عمل ابھی مکمل نہیں ہوئے تھے۔ اس وقت تک کاروباری سلطنت غیر معمولی حد تک پیچیدہ ہو چکی تھی: اس میں درجنوں کمپنیاں شامل تھیں، سام سنگ الیکٹرانکس سے لے کر ریٹیل، تعمیرات سے لے کر کیمیکلز تک۔ یہ سب کچھ ایک پیچیدہ جال میں شیئر ہولڈنگز کے ذریعے جڑا ہوا تھا۔

دوسرا مسئلہ یہ تھا کہ خاندان کو 10 ارب ڈالر (4.7 ارب پاؤنڈ) سے زائد کے انتہائی بڑے وراثتی ٹیکس بل کا سامنا تھا لیکن اگر اس کی ادائیگی کے لیے وہ کمپنیوں میں اپنے حصص فروخت کرنا شروع کر دیتے تو لی خاندان کے کنٹرول کھونے کا خطرہ پیدا ہو جاتا۔

اکلوتے بیٹے ہونے کے ناطے، لی جے یونگ کو اپنے والد کی وفات کے بعد سام سنگ کی قیادت کے لیے منتخب کیا گیا مگر تین دہائیوں تک اقتدار سنبھالنے کی تربیت پانے کے باوجود، بعض لوگوں کے نزدیک وہ جنوبی کوریا کی سب سے بڑی کمپنی اور ایک قوم کی معاشی امیدوں کی نگرانی کے لیے مناسب انتخاب نہیں تھے۔ جنوبی کوریا کے اخبار ہانگیریے کی رپورٹر جے یون لی کے مطابق ’وہ واقعی مختلف تھے، جہاں ان کے والد کو بہت جارحانہ اور اپنے مقاصد کو ترجیح دینے والے کے طور پر دیکھا جاتا تھا، لی کو زیادہ شرمیلا، خاموش اور محتاط سمجھا جاتا تھا۔‘

کچھ لوگوں کا کہنا تھا کہ اس کی بہن زیادہ صلاحیتوں کی حامل تھیں، اور ان پر یہ تنقید بھی کی گئی کہ وہ مطلوبہ حد تک سخت گیر نہیں تھے۔ اس کی صلاحیتوں پر اس وقت بھی سوال اٹھے جب اس کا پسندیدہ منصوبہ ای سام سنگ ڈاٹ کام بحران کے دوران ناکام ہو گیا۔

یہ خاندان ایک نسل پہلے بھی ایک ایسی جانشینی کی جنگ سے متاثر ہو چکا تھا، جب لی جے یونگ کے والد، جو اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے، کو اپنے دو بڑے بھائیوں پر ترجیح دے کر کمپنی کی قیادت سونپی گئی۔

اس بات پر تنازع موجود ہے کہ سب سے بڑے بیٹے، لی جے یونگ کے چچا لی مینگ ہی کے ساتھ کیا ہوا، جنھیں روایتاً وراثت ملنی چاہیے تھی۔

بڑے بیٹے، یعنی لی جے یونگ کے چچا لی مینگ ہی، کے ساتھ کیا ہوا اس پر اختلاف پایا جاتا ہے، کیونکہ روایت کے مطابق وراثت انھیں ملنی چاہیے تھی۔ ایک مؤقف کے مطابق جب انھیں کمپنی چلانے کا موقع دیا گیا تو وہ اس ذمہ داری پر پورا نہیں اتر سکے۔ لی مینگ ہی کا کہنا ہے کہ انھوں نے سات سال تک کمپنی چلائی۔ تاہم، حقیقت کچھ بھی ہو، 1976 میں سب سے چھوٹے بیٹے لی کن ہی کو وارث نامزد کیا گیا۔ یہ ایسا فیصلہ تھا جس کے اثرات آنے والی دہائیوں تک محسوس کیے جاتے رہے۔

خالی کرسی

غیر یقینی آغاز کے بعد لی کن ہی نے 1980 اور 1990 کی دہائیوں میں سام سنگ گروپ کے لیے کامیابی کے دور کی نگرانی کی لیکن مزید چیلنجز آنے والے تھے۔

2008 میں، لی جے یونگ اور ان کے والد دونوں نے استعفیٰ دے دیا، جب سام سنگ کے ایک سابق وکیل، جو بعد میں مخبر بنے، نے ایک خفیہ فنڈ کے بارے میں علم ہونے کا دعویٰ کیا جو رشوت اور سیاسی ادائیگیوں کے لیے استعمال ہو رہا تھا۔

ہانگیریے کی رپورٹر جے یون لی کے مطابق ’وکیل نے کہا کہ وہ مزید بدعنوانی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ ان کے مطابق، سام سنگ اتنا زیادہ تباہ ہو چکا تھا کہ اس نے ان کی نوکری ناقابلِ برداشت بنا دی تھی۔‘

اس صورتحال نے کمپنی اور جنوبی کوریا کی معیشت کے مستقبل پر سوالات کھڑے کر دیے۔ خاص طور پر اس لیے کہ لی جے یونگ کو اگلا چیئرمین بننے کا واضح امیدوار سمجھا جا رہا تھا۔ اچانک کمپنی قیادت سے محروم نظر آنے لگی۔ بعد میں ان کے والد کو رشوت کے الزامات سے بری کر دیا گیا لیکن انھیں ٹیکس چوری کا مجرم قرار دیا گیا اور سزا اور جرمانہ کیا گیا۔

وہ تکنیکی طور پر آزاد آدمی تھے لیکن سام سنگ کے ایک اعلیٰ عہدے پر اب بھی خلا موجود تھا۔

لی خاندان کیسے دوبارہ کنٹرول حاصل کرے گا؟

چالیس سالہ دشمنی

بالآخر لی کن ہی کو صدارتی معافی دی گئی اور وہ دوبارہ سام سنگ کے

چیئرمین بن گئے لیکن ان کے مسائل ختم نہیں ہوئے تھے۔

2012 میں ان کے بھائی، لی جے یونگ کے چچا نے اس وراثت کو واپس لینے کی کوشش شروع کی جسے وہ اپنا جائز حق سمجھتے تھے۔

یہ ایک ایسا قدم تھا جو اگلی نسل کے منصوبے کو سبوتاژ کر سکتا تھا۔

سام سنگ کے بانی کے بڑے بیٹے کا ہمیشہ یہ خیال تھا کہ ایک دن وہ کاروبار کی قیادت کریں گے لیکن پہلی جانشینی میں انھیں نظرانداز کر کے سب سے چھوٹے بھائی کو ترجیح دی گئی۔ 1976 میں جب لی جے یونگ کے والد چیئرمین بنے تو یہ دشمنی مزید بڑھ گئی: ان کے چچا کے خاندان کو کاروبار کا وہ حصہ دیا گیا جسے نسبتاً کم طاقتور سمجھا جا سکتا تھا۔ یوں، چالیس سال بعد، لی جے یونگ اور ان کے والد کو ایک قانونی دعوے کا سامنا تھا جو انھیں اپنے چچا کو سینکڑوں ملین ڈالر مالیت کے حصص واپس کرنے پر مجبور کر سکتا تھا اور لی جے یونگ کی جانشینی کے منصوبے کو خطرے میں ڈال دیتا۔

جانشینی کی واضح لکیر

بالآخر، بہن بھائیوں کے درمیان تنازع اور اس کے بعد ہونے والے مقدمے نے شاید جانشینی کی واضح لکیر کے فوائد کو نمایاں کر دیا۔

عدالتوں نے قرار دیا کہ اگرچہ چچا کے کچھ دعووں میں وزن تھا، لیکن قانونی کارروائی کے لیے مقررہ مدت ختم ہو چکی تھی۔

رپورٹر جے یون لی کے الفاظ میں 'بہن بھائی ایک دوسرے سے سخت ناراض تھے اور میرے خیال میں اسی وجہ سے (لی کن ہی) نے اپنے بچوں کے لیے جانشینی کا سلسلہ بالکل واضح کر دیا۔'

چنانچہ جب لی جے یونگ کے والد دل کے دورے کے بعد زیر علاج آئے تو یہ بالکل واضح تھا کہ کنٹرول کون سنبھالے گا۔ ان کا بیٹا: وہ شخص جو بعد میں ایک دہائی تک جاری رہنے والے ایک بڑے بدعنوانی اور رشوت سکینڈل میں الجھ گیا۔

بریت

جولائی 2025 میں لی جے یونگ بالآخر اس وقت بری ہوئے جب سیول ہائی کورٹ نے ان الزامات کے حوالے سے ان کی بریت کو برقرار رکھا جو اس انضمامی معاہدے سے متعلق تھے جسے وسیع پیمانے پر ان کی جانشینی کو یقینی بنانے والا سمجھا جاتا تھا۔

اس فیصلے نے سام سنگ کے چیئرمین کے خلاف ایک دہائی پر محیط فوجداری الزامات، عدالتی سماعتوں اور جیل کے ادوار کا خاتمہ کر دیا۔

اس نے جنوبی کوریا کے خاندانی کاروباروں کی روایات سے بھی ایک انحراف کی نشاندہی کی۔ عدالتی کارروائی کے دوران، لی جے یونگ نے سام سنگ خاندان کے لیے سمت میں تبدیلی کا عندیہ دیا۔

انھوں نے کہا کہ 'میں ابھی ایک وعدہ کرنا چاہتا ہوں کہ جانشینی سے متعلق مزید کوئی تنازع نہیں ہوگا۔ میں انتظامی حقوق اپنے بچوں کو منتقل نہیں کروں گا۔'

تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر سب سے بڑے بیٹے کو خودبخود اس سلطنت کی باگ ڈور نہیں ملتی، تو پھر یہ اختیار کس کے ہاتھ میں جائے گا؟

پی ایس ایل فائنل، پشاور زلمی کی حیدرآباد کنگزمین کو پانچ وکٹوں سے شکست:

'کچھ کھلاڑی دل میں بس جاتے ہیں اور بابر ان میں سے ایک ہیں'

پاکستان سپر لیگ (پی ایس ایل) کے فائنل میں پشاور زلمی نے حیدرآباد کنگزمین کو پانچ وکٹوں سے شکست دے دی ہے اور پی ایس ایل 11 کی فاتح بن گئی ہے۔ پشاور زلمی دوسری بار پی ایس ایل کی فاتح ٹیم بنی ہے۔ پی ایس ایل 11 کے فائنل میں حیدرآباد کنگزمین نے پہلے کھیلتے ہوئے پشاور زلمی کو جیت کے لیے 130 رنز کا ہدف دے دیا تھا جس کو فاتح ٹیم نے 16 ویں اوور میں حاصل کر لیا اور اس کی پانچ وکٹیں ابھی باقی تھیں۔

ہدف کے تعاقب میں ابتدا میں پشاور زلمی کو مشکلات کا سامنا رہا، کپتان بابر اعظم صفر پر آؤٹ ہوئے، حارث نے چھ اور کوشال مینڈس نے نو رنز بنائے۔ بریسویل بھی محض چار رنز بنا سکے۔

تاہم پھر کھیل کے دوران پشاور زلمی کے آرون ہارڈی نے 56 رنز جبکہ عبدالصمد نے 48 رنز بنائے۔

اتوار کو لاہور کے قذافی سٹیڈیم میں پشاور زلمی کے کپتان بابر اعظم نے ٹاس جیت کر کنگزمین کے کپتان مارنس لبوشین کو پہلے بیٹنگ کرنے کی دعوت دی تھی۔ پہلے بیٹنگ کرتے ہوئے حیدرآباد کی ٹیم کو اپنا پہلا نقصان دوسرے ہی اوور میں اس وقت اُٹھانا پڑا جب نوجوان معاذ صداقت صرف 11 رنز بنا کر پویلین لوٹ گئے۔

اس کے بعد صائم ایوب بیٹنگ کرنے آئے اور اگلے کچھ اوورز تک لگا کہ کنگزمین کسی اچھے ٹوٹل تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائیں گے، لیکن پانچویں اوور میں کپتان مارنس لبوشین 51 کے مجموعی سکور پر 20 رنز بنا کر آؤٹ ہو گئے اور ان کے بعد کوئی بھی نیا آنے والا بلے باز دیر تک کریز پر ٹک نہیں سکا۔

عثمان خان آٹھ، عرفان خان ایک، گلین میکسویل صفر، کوشل پریرا ایک، حسان خان 12، حنین شاہ نو رنز اور عاکف جاوید پانچ رنز پر آؤٹ ہوئے۔

حیدرآباد کنگزمین کی جانب سے سب سے زیادہ رنز صائم ایوب نے بنائے، وہ 50 گیندوں پر 54 رنز بنا کر آؤٹ ہوئے۔ پشاور زلمی کی طرف سے ایرون ہارڈی نے چار، ناہید رانا نے دو اور محمد باسط اور سفیان مقیم نے ایک، ایک وکٹ حاصل کی۔

پی ایس ایل کی اختتامی تقریب میں وزیراعظم شہباز شریف، چیئرمین پی سی بی محسن نقوی اور وفاقی وزرا نے بھی شرکت کی۔

سوشل میڈیا پر ہونے والی گفتگو

سوشل میڈیا پر یوں تو فائنل کے حوالے سے دونوں مدمقابل ٹیموں پر حیدرآباد کنگزمین کے بلے بازوں کی کارکردگی پر سوشل میڈیا پر بھی بات چیت کی گئی۔ حمزہ خان نامی صارف نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ 'حیدرآباد کنگزمین کے کھلاڑی فائنل میچ کا دباؤ برداشت نہیں کر پا رہے۔' ایک اور صارف نے لکھا کہ حیدرآباد کی ٹیم غیر ضروری رنز اور رن آؤٹس کی وجہ سے پریشانی کا شکار رہی ہے۔

ایک اور صارف نے لکھا کہ انھیں اس میچ میں حیدرآباد کنگزمین کی ٹیم پاکستان کی قومی ٹیم کے طرز پر کھیلتی ہوئی نظر آئی ہے۔ جہاں حیدرآباد کنگزمین کے بلے بازوں پر تنقید ہوئی وہاں پشاور زلمی کی فیلڈنگ کی بھی سوشل میڈیا صارفین تعریف کرتے ہوئے نظر آئے۔

ساج صادق نے لکھا کہ پی ایس ایل میں دیگر ٹیموں کے مقابلے میں پشاور زلمی کی فیلڈنگ الگ ہی سطح پر نظر آئی ہے۔

بحث جاری تھی تاہم جوں ہی پشاور زلمی کی جیت کا اعلان ہوا شائقین نے پشاور زلمی کی کارکردگی کو خوب سراہا اور اس دوران بابر اعظم کو مبارکباد دینے کا سلسلہ جاری رہا۔ ایک صارف نے لکھا کہ 'میرے لیے اصل جیت بابر اعظم کو پھلتے پھولتے اور ان کا عروج دیکھنا ہے۔ کچھ کھلاڑی صرف ایتھلیٹ نہیں ہوتے بلکہ وہ ہمارے ساتھ موجود جذبات کی طرح ہوتے ہیں۔'

'عشرہ راجپوت نامی صارف نے بھی بابر اعظم کو سراہتے ہوئے لکھا کہ 'بابر اعظم صرف ایک پلیئر نہیں بلکہ ایموشن ہے۔ کچھ کھلاڑی دل میں بس جاتے ہیں اور بابر ان میں سے ایک ہیں۔'

فلوریڈا کی رکن کانگریس اینا پاولینا لونا نے اپنے سوشل میڈیا فالوورز کو ایکس پر خبردار کیا: 'کچھ تو غیر معمولی ہو رہا ہے۔'

جنوبی کیرولائنا کی رکن کانگریس نینسی میز نے سوال اٹھایا 'سائنس دانوں کو کس نے مارا؟'

ریپبلکن پارٹی کے متعدد ارکان ان 12 امریکی سائنس دانوں کے بارے میں تشویش کا اظہار کر رہے ہیں جو 2022 کے بعد یا تو مر چکے ہیں یا لاپتہ ہیں اور ان سب کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ ان کا تعلق جوہری یا خلائی پروگراموں اور بعض صورتوں میں خفیہ منصوبوں سے تھا۔

ان کی موت کے بعد ایسے کیسز کی مجموعی تعداد 12 ہو گئی۔

پولیس نے بعض کیسز میں کسی مجرمانہ عمل کو خارج از امکان قرار دیا جبکہ ناسا نے کہا کہ کسی سکیورٹی خطرے کا کوئی ثبوت نہیں ملا۔

بعض خاندانوں نے بھی اپنے عزیزوں کے بارے میں پھیلنے والے سازشی نظریات کو مسترد کیا۔ صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے کہا 'امید ہے کہ یہ سب محض اتفاق ہوگا۔'

دی انڈیپنڈنٹ نے ان کیسز کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔

کیلیفورنیا کے تین لاپتہ یا مردہ ناسا محققین اور ایک کیلٹیک ماہر لیب میں مواد کی پروسیسنگ گروپ کی ڈائریکٹر تھیں اور 1990 کی دہائی میں راکٹ انجنز کے لیے نکل پر مشتمل سپر الائے کی شریک موجد تھیں۔

ایف بی آئی کو لکھے گئے خط میں ہاؤس کی اوور سائٹ کمیٹی نے ایک رپورٹ کا حوالہ دیا جس میں ان کے کام کو ایک اور لاپتہ سائنس دان ریٹائرڈ ایئر فورس جنرل ولیم میک کیسلینڈ سے جوڑا گیا، جو فروری میں نیو میکسیکو کے شہر البوکرکی میں اپنے گھر سے لاپتہ ہو گئے تھے۔

ریپبلکن کمیٹی کے چیئرمین کومر اور رکنِ کانگریس ایرک برلسن نے ایف بی آئی کے ڈائریکٹر کاش پٹیل کو لکھے گئے خط میں کہا 'رپورٹس میں یہ بھی الزام

12 امریکی سائنس دانوں کی پراسرار اموات:

ایٹمی، خلائی راز خطرے میں؟

لونا کی پوسٹ میں مزید کہا گیا 'اگر آپ اس بات پر بے چینی محسوس کر رہے ہیں کہ کتنے سائنس دان لاپتہ ہوئے ہیں، مرے ہیں اور حالیہ خودکشیوں کے حوالے سے تو آپ کا احساس درست ہے۔'

کچھ کیسز میں مشتبہ افراد کی نشاندہی ہو چکی ہے لیکن نامعلوم معاملات کے گرد موجود راز نے سازشی نظریات کو جنم دیا ہے کیونکہ تفتیش کار ان کے درمیان تعلق تلاش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

کانگریس اور ایف بی آئی دونوں نے ان کیسز کی تحقیقات شروع کر دی ہیں کیونکہ ممکنہ روابط کے بارے میں ابھی تک بہت کم معلومات جاری کی گئی ہیں۔

ایوان نمائندگان کی اوور سائٹ کمیٹی کے ارکان اب 10 کیسز کی تحقیقات کر رہے ہیں اور اس ہفتے ایف بی آئی، پینٹاگون اور محکمہ توانائی کو خط لکھ کر خبردار کیا ہے کہ 'یہ اموات اور گمشدگیاں امریکی قومی سلامتی اور سائنسی رازوں تک رسائی رکھنے والے اہلکاروں کے لیے سنگین خطرہ ہو سکتی ہیں۔'

اوور سائٹ کمیٹی کے چیئرمین جیمز کومر نے فاکس اینڈ فرینڈز کو بتایا 'ہم جانتے ہیں دنیا بھر میں کئی ممالک ہمارے علم اور جوہری صلاحیتیں حاصل کرنا چاہتے ہیں اور یہ وہی لوگ تھے جو اس میدان میں سب سے آگے تھے اور اب یا تو مر چکے ہیں یا لاپتہ ہیں۔'

افواہوں میں اس وقت شدت آ گئی جب اڑن طشتریوں (یو ایف او) سے متعلق تحقیق کرنے والے تصا کی موت کی خبر سامنے آئی، جنہوں نے 20 اپریل کو خودکشی کی، جس کی تصدیق بولڈر کاؤنٹی کورونر کے دفتر نے کی۔

فلکیات کا قتل

فرینک مائیوالڈ، مائیکل ہکس اور مونیکا ریزا ناسا کی جیٹ پروپلشن لیبارٹری میں کام کرتے تھے جبکہ ماہر فلکیات کارل گرل مائر کیلٹیک کے انفرا ریڈ پروسیسنگ اینڈ اینالیسس سینٹر میں کام کرتے تھے۔

یہ چاروں لاس اینجلس کے قریب پاساڈینا کے علاقے میں تھے، جن میں سے تین مر چکے ہیں اور ایک لاپتہ ہے۔

مائیکل ہکس، جو دمدار ستاروں اور سیارچوں کے ماہر تھے، 2022 تک اس لیب میں ریسرچ سائنس دان رہے۔

وہ 30 جولائی 2023 کو وفات پا گئے۔ 59 سالہ مائیکل کی موت کی وجہ کبھی عوامی طور پر ظاہر نہیں کی گئی۔

ان کی بیٹی جولیا ہکس نے سی این این کو بتایا کہ ان کے والد کو 'طبی مسائل' لاحق تھے اور انہیں اپنے والد کی موت اور دیگر لاپتہ سائنس دانوں کے درمیان کسی تعلق کی سمجھ نہیں آتی۔

انہوں نے کہا نہ کسی منتخب نمائندے نے اور نہ ہی وفاقی اداروں نے ان سے رابطہ کیا ہے۔

61 سالہ جرمن نژاد محقق فرینک مائیوالڈ چار جولائی، 2024 کو وفات پا گئے تھے۔ ان کی موت کی وجہ بھی ظاہر نہیں کی گئی۔

60 سالہ میٹریل سائنس دان مونیکا ریزا 22 جون، 2025 کو آنگلس نیشنل فارسٹ میں ہائیکنگ کے دوران لاپتہ ہو گئیں۔

وہ ناسا

لگایا گیا ہے کہ مس ریزا اور جنرل میک کیسلینڈ کے درمیان براہ راست تعلق موجود تھا۔

انہیں 2000 کی ابتدائی دہائی میں ایئر فورس کے فنڈ سے چلنے والے ایک تحقیقی پروگرام کے ذریعے 'قریبی پیشہ ورانہ تعلق' کا حامل قرار دیا گیا، جو 'دوبارہ استعمال کے قابل خلائی گاڑیوں اور ہتھیاروں کے لیے درکار جدید مواد' سے متعلق تھا۔

16 فروری کو 67 سالہ معروف ماہر فلکیات اور فلکی طبیعیات دان گرل مائر کو ایک دیہی قصبے لانو میں واقع ان کے گھر کے دروازے پر گولی مار کر قتل کر دیا گیا۔

اس سائنس دان کی نمایاں دریافتوں میں ایک دور دراز سیارے پر پانی کی موجودگی کا انکشاف شامل ہے۔

29 سالہ فریڈی سنائیڈر پر گرل مائر کے قتل کا الزام عائد کیا گیا اور لاس اینجلس کاؤنٹی شیرف کے دفتر کے مطابق خیال کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے مقتول کو نہیں جانتے تھے۔

نیو میکسیکو کے 4 لاپتہ سائنس دان

ریٹائرڈ جنرل ولیم 'نیل' میک کیسلینڈ 27 فروری کو ہائیکنگ پر گئے اور واپس نہیں آئے۔ وہ ان چار سائنس دانوں میں شامل ہیں جو نیو میکسیکو سے پچھلے ایک سال میں لاپتہ ہوئے۔

البوکرکی کے پہاڑی دامن میں رہائش پذیر 68 سالہ جنرل ولیم میک

کیسلینڈ گھر سے چمڑے کے ہولسٹر میں موجود .38 کیلیبر ریوالور اپنے ہائیکنگ بوٹس اور بٹوہ ساتھ لے کر نکلے جبکہ اپنا فون اور عینک گھر پر ہی چھوڑ گئے۔

برنالیلو کاؤنٹی شیرف کے دفتر نے کسی مجرمانہ کارروائی کو خارج از امکان قرار دیا۔

تاہم میک کیسلینڈ کے کیس کے گرد سازشی نظریات اس لیے شدت اختیار کر گئے کیونکہ وہ اس سے قبل اوہائیو کے گرین کاؤنٹی میں واقع رائٹ پیٹرسن ایئرفورس بیس پر ایئرفورس ریسرچ لیبارٹری کے سربراہ رہ چکے تھے۔

یہ وہ مقام ہے جسے سازشی نظریات رکھنے والے افراد طویل عرصے سے 1947 کے روزویل ایلین طیارہ حادثے کی کہانی سے جوڑتے رہے ہیں۔ان کی اہلیہ سوسن میک کیسلینڈ ولکرسن نے کہا کہ اس تعلق نے غلط معلومات کو جنم دیا اور اس بات کی تردید کی کہ ان کے پاس خلائی مخلوق یا یو ایف او پروگرامز سے متعلق کوئی خفیہ یا خصوصی معلومات تھیں۔

انہوں نے گذشتہ ماہ فیس بک پر ایک پوسٹ میں لکھا 'نیل کے پاس روزویل حادثے سے متعلق ای ٹی اجسام یا ملبے کے بارے میں، جو رائٹ پیٹ پر محفوظ ہیں، کوئی خصوصی معلومات نہیں ہیں۔'

نیو میکسیکو کی سائنس دان میلیسا کیسیاس اور انتھونی شاویز، جو دونوں لاس الاموس نیشنل لیبارٹری میں کام کرتے تھے، اب بھی لاپتہ ہیں۔

لاس الاموس وہ مقام تھا جہاں دوسری عالمی جنگ کے دوران نازیوں سے پہلے جوہری ہتھیار بنانے کے لیے امریکی حکومت کا انتہائی خفیہ مین ہیٹن پراجیکٹ چلایا گیا تھا۔

میلیسا کیسیاس 26 جون، 2025 کو اپنے آبائی علاقے رانچوس ڈی تاؤس سے لاپتہ ہوئیں، جو سانتا فے سے تقریباً 65 میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

تاؤس نیوز کے مطابق 53 سالہ خاتون نے اس صبح اپنے شوہر کو لیب پر چھوڑا تھا، جہاں وہ بھی کام کرتے ہیں، اس کے بعد وہ اپنا ملازمتی بیج بھول جانے کے باعث گھر واپس آ کر آن لائن کام کرنے لگیں۔

جب اس دن ان کی بیٹی گھر واپس آئیں تو گاڑی وہاں موجود تھی لیکن وہ غائب تھیں۔ان کا فون، پرس اور بٹوہ گھر پر ہی موجود تھا۔

نیو میکسیکو سٹیٹ پولیس نے کہا کہ انہیں کسی مجرمانہ کارروائی کا شبہ نہیں ہے۔

79 سالہ شاویز مئی 2025 کے اوائل سے لاپتہ ہیں اور ان کے ایک دوست نے ان کی گمشدگی کو 'انتہائی غیر معمولی' قرار دیا ہے۔

سی این این کے مطابق شاویز 2017 میں لیب سے ریٹائر ہوئے تھے، جہاں وہ بطور فورمین تعمیراتی کام کی نگرانی کرتے تھے۔

ایک تفتیش کار نے بتایا کہ کسی مجرمانہ کارروائی کے شواہد نہیں ملے، تاہم اس بات کا بھی کوئی اشارہ نہیں ملا کہ وہ کہیں جانے کا ارادہ رکھتے تھے۔

کارل بکلینڈ، جنہوں نے شاویز کو اپنا 'بہترین دوست' قرار دیا، نے گذشتہ سال فیس بک پر لکھا 'ان کی گاڑی لاک تھی اور ڈرائیو وے میں کھڑی تھی۔'ان کا بٹوہ، گاڑی کی چابیاں اور ذاتی اشیا گھر میں تھیں، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ گھر سے صرف چند منٹ کے لیے نکلنے کے ارادے سے گئے تھے۔ان کی گمشدگی انتہائی غیر معمولی ہے۔'

دوسری جانب سٹیون گارشیا، جو البوکرکی میں کنساس سٹی نیشنل سکیورٹی کیمپس میں بطور سرکاری کنٹریکٹر کام کرتے تھے، 28 اگست سے لاپتہ ہیں۔وہ گھر سے صرف ایک پستول لے کر نکلے تھے اور ان کے پاس نہ چابیاں تھیں اور نہ ہی فون۔

ان کا کام جوہری ہتھیاروں کے لیے غیر جوہری پرزہ جات کی تیاری سے متعلق تھا اور یہ ادارہ محکمہ توانائی کے لیے 'قومی سلامتی سے متعلق مختلف مصنوعات' تیار کرتا ہے۔

پولیس نے مقامی میڈیا کو بتایا کہ اس کیس میں کوئی نئی پیش رفت سامنے نہیں آئی۔

ایم آئی ٹی کے نامور جوہری سائنس دان کا قتل، 'جینیئس' محقق کی خودکشی اور ایک بائیولوجسٹ کی موت

گذشتہ تین برسوں کے دوران تین ممتاز سائنس دان افسوس ناک اور پرتشدد واقعات میں جان سے گئے۔

تاہم ایسا کوئی ثبوت موجود نہیں جو انہیں دیگر کیسز سے جوڑتا ہو۔

'غیر معمولی ذہانت' کی حامل اینٹی گریویٹی محقق ایمی ایسکرتیج کی جون 2022 میں موت کو کورونر نے خودکشی قرار دیا، جو خود کو گولی مارنے کے باعث ہوئی۔

34 سالہ سائنس دان کی ایک دوست فرینک ملبرن نے 'نیوز نیشن' کو بتایا کہ ایسکرتیج، جو الاباما کے شہر ہنٹس وِل میں رہتی تھیں، سمجھتی تھیں کہ ان کے کام کی وجہ سے انہیں نشانہ بنایا جا رہا ہے۔

ملبرن نے دعویٰ کیا کہ ایسکرتیج نے انہیں ایک پیغام میں کہا تھا 'اگر آپ کوئی ایسی رپورٹ دیکھیں کہ میں نے خود کو مارا ہے تو یقیناً ایسا نہیں ہے۔

'اگر آپ کوئی رپورٹ دیکھیں کہ میں نے زیادہ مقدار میں دوا لے لی تو ایسا بھی نہیں ہے۔اگر آپ کوئی رپورٹ دیکھیں کہ میں نے کسی اور کو قتل کیا ہے تو ایسا بھی ہرگز نہیں ہے۔'

ان کے والد رچرڈ ایسکرتیج، جو ناسا کے سابق ملازم ہیں، نے اپنی بیٹی کی موت سے متعلق سازشی نظریات کو مسترد کر دیا۔

انہوں نے نیوز نیشن کو بتایا 'سائنس دان بھی دوسرے لوگوں کی طرح مرتے ہیں۔'

دسمبر میں 47 سالہ طبیعیات دان، فیوژن سائنس دان اور ایم آئی ٹی کے پروفیسر نونو ایف۔جی لوئیرو کو میساچوسٹس کے علاقے بروکلین میں ان کے اپارٹمنٹ میں گولی مار کر قتل کر دیا گیا۔

بعد ازاں ان کے قاتل کی شناخت کلاڈیو مانوئل نیویس ویلینٹ کے طور پر ہوئی، جسے براؤن یونیورسٹی میں فائرنگ کے واقعے کا بھی ذمہ دار قرار دیا گیا، جو پروفیسر نونو ایف۔جی لوئیرو کے قتل سے دو دن قبل پیش آیا تھا۔

ویلینٹے اور لوئیرو نے 1995 سے 2000 کے درمیان پرتگال میں ایک ہی یونیورسٹی پروگرام میں تعلیم حاصل کی تھی۔

ویلینٹے 19 دسمبر کو نیو ہیمپشائر میں ایک سٹوریج مرکز میں مردہ حالت میں پایا گیا۔

لوئیرو کے قتل کا مقصد کبھی واضح نہیں ہو سکا۔شادی شدہ اور بچوں کے باپ لوئیرو ایم آئی ٹی کے پلازما سائنس اور فیوژن سینٹر کے سربراہ تھے۔

فروری میں جاری ہونے والی پولیس رپورٹ میں ایک خاتون ساتھی کے حوالے سے کہا گیا کہ لوئیرو کے محکمہ توانائی سے روابط تھے۔

سی بی ایس نیوز کے مطابق رپورٹ میں کہا گیا: 'وہ اس بات سے آگاہ نہیں تھیں کہ آیا لوئیرو کے پاس ٹاپ سیکرٹ کلیئرنس تھی یا وہ محکمہ دفاع کے ساتھ کوئی کام کر رہے تھے۔'

مارچ میں دوا ساز کمپنی نووارٹس کے بائیولوجسٹ جیسن تھامس کی لاش میساچوسٹس کی ایک جھیل سے برآمد ہوئی۔

تھامس تین ماہ سے لاپتہ تھے جب پولیس نے انہیں لیک کوانا پوئٹ سے نکالا۔ان کی اہلیہ نے بتایا کہ وہ حال ہی میں اپنے والدین کی اموات کے صدمے سے نمٹنے میں مشکلات کا شکار تھے۔

تھامس کا نام ارکانِ کانگریس کے ایف بی آئی کو لکھے گئے خط میں شامل نہیں تھا، تاہم انہوں نے ایک 'دوا ساز محقق' کا ذکر ضرور کیا تھا۔

ماہنامہ
کرائم بیورو
کراچی
ماہنامہ کرائم بیورو کراچی کا موٴقر رسالہ ہے۔
کرائم بیورو......ہر خبر سے باخبر
ہماری ویب سائٹ
https://monthlycrimebureau.com/
انسٹاگرام
https://www.instagram.com/monthlycrimebureau/
فیس بک
https://www.facebook.com/profile.php?id=61586413435516
اس میں ہر ماہ نت نئے مضامین قارئین کی معلومات اور دلچسپی کے لیے شائع کیے جاتے ہیں۔ ماہنامہ کرائم بیورو کراچی اب انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا پر بھی موجود ہے، ہمارے ساتھ جڑیں رہیں تاکہ آپ کو جرائم کی دنیا سے ہر خبر ملتی رہے کیونکہ کرائم بیورو ہے ہر جرم سے باخبر۔

KEENJHAR
FARM HOUSE
LAKE VIEW FARMHOUSE

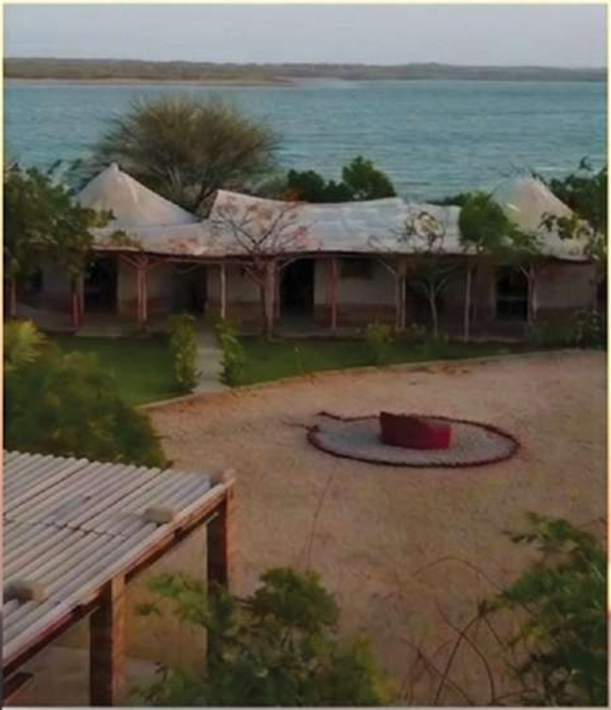

Experience the Ultimate Lakefront Retreat

Unwind and Reconnect with Nature

- CARROM BOARD
- RELAXING CHAIR
- BEACHSIDE VIEWS

FOR BOOKINGS, CONTACT:
0313-3728970, 0307-2940060